سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر

تمغۂ شیطانی

تصنیف

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

چوتھی مرتبہ

جولائی ۱۹۳۶

قیمت بارہ آنے

تحفۂ شیطانی

از علامہ راشد الخیریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملا اعلیٰ کی تمام کائنات تسبیح و تقدیس میں سرگرم تھی۔ ملائکہ سربسجود و حوریں رکوع میں، غلمان دست بستہ، حکومت خداوندی کے نعرے لگا رہے تھے جنوں کی خونخوار فوج ایک فرشتہ کی سرکردگی میں فلک اوّل پر مصروف کار تھی۔ کراماً کاتبین کے آتشیں اسلحہ دوزخ میں دہک رہے تھے۔ لاتعداد منکر نکیر انسانی اعمالنامے بغل میں لئے خاموش کھڑے تھے۔ کوثر و تسنیم کے چشمے لہریں لے رہے تھے اور جنت الفردوس کے طائران خوش الحان ازلی و ابدی راج کے گیت گا رہے تھے۔

کائنات سماوی کی ہر شے افکار حیات سے محفوظ تھی اس کا مقصد حیات صرف عبادت تھا اور وہ اسی میں سرگرم تھی رنج جو انسانی زندگی کا لازمی نتیجہ ہے اس سرزمین سے کوسوں دور تھا البتہ خدائی فوج کا کمانڈر انچیف اسرافیل نوری وردی میں فوق الفطرۃ طاقت سے مسلح، عرش معلےٰ کے باہر خاموش ٹہل رہا تھا۔

دوزخیوں کی داد بیلا نے جنت سر پر اٹھا رکھی تھی اور هل من مزید کے نعرے گونج رہے تھے یعنی رہائشی گروہ روحوں کی کھپیں کی کھپیں لا رہا تھا۔ گنہگاروں کی کثرت سے متعلقین دوزخ گھبرا گئے تھے۔ خدائی فریق علماء و فضلا کی صورت میں ہر چند اپنی کوششوں میں منہمک تھا مگر باغیوں کی شرارتیں روز بروز اور لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھیں۔

زمین احکام الٰہی کو پاؤں سے روند رہی تھی روحانیت کا نام و نشان مٹ رہا تھا۔ اور مادیت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ خدائی سپہ سالار اشرافیل نے کئی دفعہ قصد کیا کہ درگاہ رب العزت میں عریضہ پیش کرے اور باغیوں کی سرکوبی کے احکام حاصل کرے مگر ہمت نہ ہوتی تھی۔ وہ اسی دُھن میں پھرتا پھرتا چوتھے آسمان پر اپنے دوست اور درگاہ خداوندی کے مشہور دربان اسمائیل سے ملا اور کہا۔

”ہماری خاموشی نے جو مجبوری سمجھی جا رہی ہے ہم کو جو دن دکھایا وہ صفحہ تاریخ میں جواب نہیں رکھتا۔ بغاوت عام ہوگئی انار کزم کی کوششیں گھر گھر سے نمودار ہو رہی ہیں۔ مخلوق فرنٹ ہو چکی۔ دشمن کا قبضہ ہماری مملکت پر کیا رعیت کے دلوں پر ہو گیا۔ انسان جس کی پیدائش کا مقصد محض عبادت تھا بھول کر بھی شہنشاہ حقیقی کو یاد نہیں کرتا۔ عزازیلی فوج چپہ چپہ پر راج کر رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ کسی وقت درگاہ ایزدی میں عرض کروں کہ دشمن کا سر کچلنے کی اجازت مرحمت ہو۔“

اسمائیل: ”میں خود اس کو عرصہ سے دیکھ رہا ہوں اور کوئی لحہ ایسا نہیں گذرتا کہ خون کے آنسو نہ گراتا ہوں مگر کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے اور اُف کر سکے۔ آج تمام دُنیا میں عزازیل (شیطان) کی پرستش ہو رہی ہے، آبادی

کا کوئی حصہ اور زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جہاں اس کی فوج حکومت نہ کر رہی ہو۔ خدائی ڈھیل نے اس کو اتنا شیر کر دیا کہ وہ پیغمبروں کی اولاد پر بھی قابض ہو گیا
یوں تو خدا کی تمام سلطنت ہی عزازیل (شیطان) کا کلمہ پڑھ رہی ہے مگر مسلمان تو اس بری طرح ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں کہ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے، کھانے میں پینے میں، چلنے میں پھرنے میں، مجلس میں، محفل میں، شادی میں، بیاہ میں، ہر مرد اور ہر عورت اور ہر لڑکا اور ہر لڑکی اس کا نام رٹ رہا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اس ہفتہ کے ستر لاکھ ستر ہزار ستر سو ستر مسلمانوں میں صرف ستر آدمیوں کو وہ بھی مر مر کر اور پٹ پٹ کر جنت میں جگہ ملی ہے۔ رب العالمین کے عفو و کرم نے یہاں تک نوبت پہنچا دی کہ ہر مسلمان جنت و دوزخ کو ڈھکوسلا سمجھ رہا ہے۔ لمبی ڈاڑھیاں اور گٹے دار پیشانیاں کچھ ایسی سنگدل ہوئی ہیں کہ پناہ بخدا! میں تو جس وقت پرہیزگار روح کو دیکھتا ہوں سمجھ لیتا ہوں کہ دوزخی ہے۔ عزازیل کی طاقت اس وقت دُنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی میرے اختیار میں ہو تو ابھی قیامت بپا کر کے اس کا قلع قمع کر دوں۔ آج دربار منعقد ہوا ہو گا اس کی تیاریوں کا حال تو ہم مدت سے سُن رہے تھے بھائی میناٸیل کو تعینات کیا ہے کہ وہ وہاں شریک ہو کر مفصل کیفیت بیان کرے۔ لو وہ آ گیا۔"
میناٸیل کے آنے کی خبر آناً فاناً ساتوں آسمانوں میں مشہور ہو گئی اسی وقت ایک باقاعدہ جلسہ کا اعلان کر دیا گیا۔ حوریں اور فرشتے جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ آسمانی کائنات میناٸیل کے لکچر کی اس قدر مشتاق تھی کہ چشم زدن میں مجمع کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ آٹھ بجے رات کو میناٸیل سٹیج پر کھڑا ہوا اور کہا:۔
"عزازیلی دربار کا تزک و احتشام چشم انسانی نے اس سے پہلے کبھی

نہ دیکھا ہوگا اس کی تیاریاں کئی سال سے ہو رہی تھیں کمبخت عزازیل، جو خود
اور اس کی تمام ذُریات ہماری جان کی دشمن ہے اس دربار میں جس شان و
شوکت سے شریک ہوا ہے الفاظ میں اس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ سونے چاندی
کا مرصع تخت جواہرات کی گود میں جگمگا رہا تھا۔ رنگ برنگ کے پھول جن کی
خوشبو نے کوسوں تک ہوا کو معطر کر رکھا تھا۔ چاروں طرف مہک رہے تھے۔
دودھ کی نہریں لہریں لے رہی تھیں۔ خوش الحان پرند نغمہ سنجی میں مصروف۔
حسین دیویاں رقص و سرود میں سرگرم۔ المختصر زمین کا ہر ذرہ جنت کا نمونہ
تھا شراب کے آبشار عزازیل کا ترانہ گا رہے تھے اس کی رعیت اور فوج نے
باآواز بلند اپنے بادشاہ کا نعرہ لگایا۔ جلوس آناً فاناً تمام دنیا میں سے پھرتا پھرتا
تخت زمردین تک پہونچ گیا۔ باجوں کی سُریلی تانیں آسمان تک جا رہی تھیں۔
آفتاب کے طلوع ہوتے ہی وزیر سلطنت نے اپنے بادشاہ کو سجدہ کیا اور عرض
کرنے لگا۔

"شیطنت حضور! عورتوں اور مردوں!

ہم نے اپنے دشمن خداوند سے جو کہا تھا نہایت خوشی کی بات ہے کہ
وہ پورا کر دکھایا۔ گو چند بدبخت ابھی دنیا کی آبادی میں ایسے مسلمان بھی موجود
ہیں جو جنت کی امید پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے دل درد سے اور
ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں اور باوجود سخت کوشش کے ہم ان پر
قابو نہ پا سکے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے ورنہ دل
دل مسلم پر ہمارا تسلط ہو چکا اور ہندوستان میں تو اس سرے سے اس سرے
تک مسلمان ہمارے جال میں کسی نہ کسی طرح گرفتار ہیں (چیرز۔ چیرز۔ چیرز۔)
میں اس وقت شیطنت حضور کے روبرو سات انسانوں کی تصویر پیش

پیش کرتا ہوں جنھوں نے خداوند کے قدیمی نمکخوار ہونے کے باوجود حقیقت کو پہچان لیا اور باغی ہو کر شیطنت حضور کی امت میں داخل ہوئے۔"

اتنا کہہ کر وزیر سلطنت نے متواتر سات سجدے اپنے بادشاہ کو کئے اور ایک تصویر سامنے رکھ کر اس طرح کہنا شروع کیا۔

پہلی تصویر

"ہمارے مقصد کی کامیابی میں سب سے زیادہ مدد مسلمانوں کے اس گروہ کی شامل ہے جو رہبر و رہنما سمجھا گیا اور سمجھا جا رہا ہے ہماری خوش قسمتی ہے کہ عام مسلمان خدا کی خوشنودی صرف نماز روزہ میں سمجھ رہے ہیں اور ہم ممنون ہیں مسلمان علمائے کے جو حیات انسانی کے فلسفہ سے قطعاً نا آشنا ہیں اور مسئلہ کے اس پہلو پر کبھی توجہ نہیں فرماتے کہ خدا کی عبادت کا منشا اور احکام کی غایت کیا ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار میں جس قدر مسرت ہو کم ہے کہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے فرق کو قطعاً نظر انداز کر چکے اور ان کا اسلام گنتی کی تین چار باتوں میں محدود ہے۔

یہ مسلمان جس کو ہم اپنی امت میں شیطنت حضور کا خاص وفادار یقین کرتے ہیں اور اس قابل سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی بیش بہا خدمات کے صلہ میں شیطنت حضور کے دست مبارک سے **نغمۂ شیطانی** حاصل کرے، نماز روزے حج وغیرہ کا آج بھی سختی سے پابند ہے۔

یہ وہ شخص ہے جس کی تہجد اور اشراق بھی کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔

یہ وہ شخص ہے جو روز درود وظائف میں صبح کے دس بجا دیتا ہے۔

یہ وہ شخص ہے جو رات کو سوتے سوتے تسبیح ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

یہ وہ شخص ہے جو چار دفعہ زیارت کعبۃ اللہ کر چکا ہے۔

یہ وہ شخص ہے جو ہر جمعہ کو سب سے پہلے جامع مسجد میں پہونچ جاتا ہے۔
اس کو راہ راست پر لانے میں ہم کو جس قدر دقتوں کا سامنا ہوا اس کے اظہار کی ضرورت نہیں کئی سردار وقتاً فوقتاً تعینات کیے گئے لیکن یہ کسی طرح نہ ڈگمگایا آخر مجبور ہو کر میں نے خود اس کی طرف رجوع کیا۔
اس کے پڑوس میں ایک بیوہ رہتی تھی جو اس کی دور پرے کی شاید رشتہ دار بھی ہے وہ اور اس کی جوان لڑکی اس کے ہاں کام کاج کرتی تھی اور اس کے کام کا بیشتر حصہ اور گھر کا قریب قریب تمام انتظام اسی لڑکی فرزانہ کے سپرد تھا فرزانہ اور اسکی ماں چونکہ دونوں پردہ نشین تھیں اس لئے اس شخص کو مربی سمجھ کر ٹہل کرتی تھیں اور پیٹ پالتی تھیں مگر فرزانہ کی بڑھیا ماں جوان لڑکی کو دیکھ کر سخت پریشان ہو رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کوئی لڑکا شریف صورت مل جائے تو نکاح کر دوں۔ بڑھیا ماں کا کوئی لمحہ اس فکر سے خالی نہ تھا بچی کو دیکھ دیکھ کر اس کے ہوش اڑے جاتے تھے مگر کوئی بات ڈھنگ کی نہ ملتی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ اس شخص سے اور اس کی بیوی سے جو مفتی صاحب اور مفتانی صاحبہ کہلاتے تھے اپنی پریشانی کا ذکر کیا اس کے اظہار سے میرا مطلب یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی اس کی مصیبت سے باخبر تھے۔ فرزانہ کی ماں اپنی تکلیف کے ہر حصہ اور مصائب و آلام کے ہر ذرہ کو بچی کی جوانی پر قربان کر چکی تھی، ایک لمحہ کے واسطے آنکھ سے اوجھل نہ کرتی تھی۔ چونکہ بارہ مہینے کی بیمار تھی اور زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی تھی اس لئے اب اُسکا ہر ارمان، ہر آرزو ہر خواہش اور ہر اُمنگ لڑکی کے نکاح میں محدود تھی۔
خدا خدا کر کے ایک پیام آیا۔ یہ لڑکا انٹرنس پاس اور چالیس روپیہ ماہوار کا ملازم تھا اور بڑھیا کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے مفتی صاحب کا بھی عزیز سمجھ لینا چاہئے۔ مفتی صاحب کی بھی قریبی عزیز کی ایک کنواری لڑکی تھی جس کو بدنصیب ہوتا تھا اور

اس کے والدین کی پریشانی میں تھوڑی سی شرکت ہمارے اِن مفتی صاحب کی بھی تھی
فرزانہ کی ماں نے نکاح کے تمام زبانی مراحل یعنی مہر نان نفقہ وغیرہ طے کر کے تاریخ
کے واسطے مفتی صاحب کا مکان تجویز کیا اور بہ منت مفتی صاحب سے
درخواست کی کہ آپ اپنی سرپرستی میں بچی کے دو بول پڑھا دیجئے۔

مفتی صاحب یہ خبر سُنکر دنگ رہ گئے۔ دولہا چونکہ بہت ہی نیک شریف
اور ہنس مکھ لڑکا تھا معاً ان کو اپنی عزیز بھتیجی کا خیال آیا اور اُنہوں نے فیصلہ کر لیا
کہ فرزانہ کے مقابلہ میں ریحانہ کو ترجیح دیں اور جس طرح ہو اس بات کو اُچٹا کر
ریحانہ کا نکاح کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے فرزانہ کی ماں کو بلا کر اور خیر خواہ بن کر
نان نفقہ وغیرہ کے متعلق حالات معلوم کئے اور دبی زبان سے یہ کہدیا کہ "بیٹا بیٹی
کا معاملہ عمر بھر کے سودے ہیں اگر وہ مہر معجل پر راضی نہیں ہوتا تو خیر دیکھی جائے گی"
اتنا کہکر اُنہوں نے لڑکے اور اُس کے باپ کو بلا بھیجا اور اُکھڑی اُکھڑی باتیں
کرکے وہ ایک اڑنگے فرزانہ کی ماں کی طرف سے لگا کر جھٹ اپنی بھتیجی کا ذکر چھیڑ
دیا۔ ریحانہ کے سامنے بیچاری فرزانہ کی حقیقت کیا تھی، دونوں باپ بیٹے
باغ باغ ہو گئے اور ہمارے ان مفتی صاحب نے فرزانہ کی ماں سے ادھر اُدھر
کی باتیں بنا وقت مقررہ پر ریحانہ کا نکاح کروا دیا۔

میں شروع ہی سے مفتی صاحب کی تاک میں تھا اس موقع پر میں نے اپنی
کوشش میں کسر نہیں کی اور میاں مفتی صاحب کے روزے نماز تہجد اور
وظیفے خاک میں ملا دئے۔

مفتی صاحب کی بیش بہا خدمات حق رکھتی ہیں کہ شیطنت حضور تمغۂ شیطانی
اپنے مُبارک ہاتھوں سے مفتی صاحب کو عطا فرمائیں (چیرز، چیرز، چیرز)
شام کو جس وقت فرزانہ کی ماں نے ریحانہ کا نکاح دیکھا تو ایک ٹھنڈا

سانس بھر کر خاموش ہو گئی اس کی خموشی نے مفتی صاحب کی تمام عبادت کو ٹھکرا کر پھینک دیا اور مفتی صاحب ہماری اُمت میں داخل ہوئے۔

ان حالات میں بصد ادب مفتی صاحب کے لئے تمغۂ شیطانی کی سفارش کرتا ہوں۔" (چیرز۔ چیرز۔ چیرز)

چیرز کے بعد کچھ دیر سناٹا رہا اور اس کے بعد دربار شیطانی سے یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"مفتی صاحب کی یہ خدمت حقیقتاً ہمارے انعام کی مستحق ہے اور ایسے مسلمان ہماری اُمت کے منتخب افراد ہیں۔ مگر تمغۂ شیطانی کا مستحق اس سے بہتر خدمات کا مسلمان ہونا چاہیے مفتی صاحب کے واسطے ہمارا نشان وسطی تجویز ہوتا ہے۔"

دوسری تصویر

"دربار شیطانی کے فیصلے نے کچھ دیر تک گر دو نواح کو خاموش کر دیا۔ اس کے بعد موسیقی کی باکمال دیویوں نے مجرے شروع کیے۔ چاروں طرف سے راگ کی دلکش صدائیں بلند ہوئیں۔ پرند اپنے نغموں میں مصروف ہوئے۔ نہریں اور چشمے جو ساکت ہو گئے تھے اپنے بادشاہ عزازیل کا کلمہ پڑھنے لگے۔ شراب کے دَور چلے۔ ہمارے خالق حقیقی کے خلاف رائیں دی گئیں اور تمام پنڈال میں "شیطنت حضور سلامت" کا متفقہ نعرہ بلند ہوا۔

اب پھر سناٹا چھا گیا جب باجوں کی سُریلی صداؤں کے سوا ہر طرف خاموشی ہوئی تو وزیر سلطنت نے اُٹھ کر سات سجدے کیے اور "شیطنت حضور کی سلامتی" کے تین نعرے لگا کر ایک عورت کی تصویر نکال اس طرح عرض کیا:۔

"عورتوں اور مردو!

گو دوسروں کے دیکھا دیکھی یا مصلحت اور ضرورت سے مجبور ہو کر اب مسلمانوں نے بھی حقوقِ نسواں کے دعوے شروع کر دیئے ہیں اور وہ یہ کہکر کہ اسلام نے عورت کی حمایت ہر مذہب سے زیادہ کی دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ ان کا عمل اس کے قطعاً خلاف ہے اور مسلمانوں کا ادب بھی عورتوں کی جہالت، ان کے ناقص العقل، غیر معتبر اور کنیز ہونے سے بھرا پڑا ہے مگر میں نے تحفۂ شیطانی کے واسطے اس گروہ کو بھی منتخب کیا، کہ یہ شیطنت حضور کے کرم سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ یہ تصویر ایک عورت کی ہے جس کو رام کرنے میں مجھے خاص تکلیف ہوئی لیکن شکر ہے آقائے نامدار حضرت شیطان کا جن کے فضل سے مجھکو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی (تالیاں)۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میرے اوقات میں سب سے زیادہ جگر خراش لمحہ وہ ہوتا ہے جب کڑکڑاتے جاڑوں میں اُس وقت جب آفتاب دامنِ شب چاک کرنے کے قریب ہوتا ہے، کسی مسجد سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے اور اس کو سنکر مسلمان سُوں سُوں کرتے، دبکتے سکڑتے مسجدوں میں پہونچکر وضو کرتے ہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح اس درد کی برداشت کر لیتا ہوں مگر یہ اذیت اس وقت لاعلاج ہوتی ہے جب کوئی چھوٹا بچہ جو خدا کو سمجھ بھی نہیں سکتا نماز میں شریک ہو کر اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں اس طرح پھرتا پھراتا ایک محلہ کی مسجد میں گیا۔ یہ محلہ خالص نمازیوں کا تھا اور اس کی آبادی چار پانچ ہزار سے کم نہ تھی۔ موسم سرد کیا، چلّے کے جاڑے تھے۔ مہاوٹ پڑ رہی تھی اور باہر نکلنا ایک

مصیبت تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر تو بہت خوشی ہوئی کہ مسجد میں صرف دو نمازی تھے ان میں بھی ایک لنگڑا جو صبح کی جماعت کے انتظار میں شام ہی سے مسجد میں آسوتا تھا، لیکن غور سے دیکھا تو میرے قلب و جگر پر یہ دیکھ کر بجلی گر گئی کہ ایک لڑکی بھی جو آٹھ نو سال سے زیادہ نہ ہوگی باپ کے ساتھ خواہ مخواہ نماز پڑھ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی لڑکی مرتے مرتے نماز نہ چھوڑے گی۔ میں نے اپنی طرف سے اس کو ورغلانے کی بہت کوشش کی مگر سب بیکار نکلی۔ یہ جوان ہو کر پکی نمازن بنی۔ میں نے ایسا بھی کیا کہ وقت پر اس کو وضو کے واسطے پانی نہ ملے۔ ایک موقعہ پر میں نے اس کو اس قابل بھی نہ رکھا کہ اٹھ سکے یا بیٹھ سکے مگر ان کے خدا نے جو مراعات ان کو دے رکھی ہیں وہ کام آئیں۔ اسے پانی نہ ملا تو تیمم کیا۔ کھڑے ہونے کے قابل نہ رہی تو بیٹھ کر اور اٹھنے کے لائق نہ رہی تو لیٹ کر نماز پڑھی۔ کشتی زبردست اور مقابلہ دلچسپ تھا۔ میں ڈگمگاتا تھا، یہ اکڑتی تھی۔ میں پھسلاتا تھا، یہ سنبھلتی تھی۔ جب جوانی پورے ساز و سامان کے ساتھ اس پر مسلط ہوئی تو میں بھی اپنے ہتھیار لیکر آگے بڑھا۔ میں نے اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ قدم قدم پر اس کے واسطے جال بچھا دئے لیکن یہ ہر موقعہ اور ہر محل سے صابن کے تار کی طرح صاف نکل گئی۔ جب وہ وقت آیا کہ نئی دنیا میں داخل ہو یعنی اس کی شادی ہو جائے تو میں سمجھا کہ اب دسے ہتھوں گا مگر یہ ایسی شریر اور ہشیار تھی کہ اس چکر سے بھی صاف نکل گئی اور مجھکو قطعاً مایوس ہونا پڑا۔ مگر شیطنت حضور کا اقبال میرے ساتھ تھا۔ یہ ایسے شخص سے بیاہی گئی جس کی بیوی دو سال کا لڑکا چھوڑ کر مری تھی اور یہ اس کے واسطے ایک مستقل کوفت تھی میں اس کا رویہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا کیونکہ یہ اس کو دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتی تھی، اور جس وقت اس کا شوہر یعنی

اس ننھے بچے فہیم کا باپ سلیم محبت کی نظر بچہ پر ڈالتا تھا تو اس کی جو کچھ کیفیت ہوتی تھی بیان نہیں کر سکتا۔

سلیم تھا تو لالہ مگر وقت کے نشانہ نے اس کو بھی جدت کا زخمی کر دیا تھا۔ سر تو وہ اب تک منڈاتا تھا اور گرمیوں میں تو شاید دو تین دفعہ مگر اس پر ترکی ٹوپی اور کالر ٹائی بھی کچھ کم پر لطف نہ تھی، ڈاڑھی ہمیشہ ناف سے سرگوشیاں کرتی تھی۔ انگریزی کا ایک حرف نہ آتا تھا اور انگریزی کیا عربی فارسی کا بھی بلکہ اردو کا بھی، لیکن زمیندار ہونے کی وجہ سے گول کمرہ میز کرسیوں سے اور باورچی خانہ چھری کانٹوں سے خالی نہ تھا۔ چونکہ انتہائی بدتمیز تھا اس لئے انگریز حکام دل لگی کے واسطے کبھی کبھی اور ان کی بیویاں مذاق اڑانے کے لئے سلیم صاحب کو بلا لیا کرتے تھے۔ خاں صاحب کا خطاب بھی تھا۔ ایک رات کو جب کمشنر صاحب کی میم کلکٹر صاحب کی میم کے مہمان تھیں اور بہتر پر شہر کی معزز انگریزی مستورات کا مجمع تھا سلیم صاحب بھی مدعو کیے گئے۔ چاروں طرف عورتیں تھیں بیچ میں حضرت سلیم تھے۔ ساٹھ سے اوپر عمر تھی دکھائی بھی موٹا دیتا تھا۔ گاڑی سے اترنے لگے تو عینک نیچے گری اور ایک کمانی ٹوٹ گئی۔ بہت سوچا کہ کیا کروں مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی آخر ترکی ٹوپی کا خیال آیا۔ پھندنے میں سے ڈورا نکالتے تھے کہ سارا پھندنا ہاتھ میں آ گیا میم صاحب نے آ کر دیکھا تو خاں صاحب ننگے سر کھڑے کمانی باندھ رہے ہیں سب نے آ کر جھانکنا اور ہنسنا شروع کیا۔ خدا خدا کر کے کمانی بندھی اور آگے آئے تو صاحب خانہ یعنی کلکٹر صاحب کی میم نے ہنس کر ہاتھ ملایا اور کہا "کوٹ اتار کر یہاں ٹانگ دیجئے"۔ بدقسمتی سے خاں صاحب اوورکوٹ کے نیچے تن زیب کی قمیص بے واسکٹ پہنے ہوئے تھے۔ میم صاحب

کے حکم کی تعمیل تو کر دی اور اوور کوٹ اُتار دیا مگر اندر کشمیرے کی پتلون پر میلی قمیص وہ بھی مہین جسے پھندنے کی ٹوپی ہاتھ میں۔ سر منڈا ہوا لمبی ڈاڑھی تھر تھراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو میموں اور میسوں نے خوب تالیاں بجائیں کمشنر صاحب کی میم صاحب ہاتھ ملا رہی تھیں اور ان کے قہقہہ کے جواب میں جو خاں صاحب کی ہیئت کذائی پر تھا خاں صاحب کو قہقہہ لگانا پڑا اور ساتھ ہی عینک کا ڈورا ٹوٹ کر عینک نیچے گری تو خاں صاحب اور بھی ہڑ بڑ ہوئے مگر اُٹھانے کی ہمت نہ پڑی۔

کھانے کی میز پر پہلے شوپ آیا اس کے بعد ایک ایک کباب۔ خاں صاحب کی بینائی عینک کے بل پر تھی۔ برابر والی میم کی پلیٹ میں ہاتھ ڈالکر کباب اٹھالیا میم بھی ڈھیل نہ تھی ہاتھ پکڑ لیا اور چیخ کر کہا "خانصاحب یہ کیا؟"

اب تو خاں صاحب بہت ہی شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے "معاف کیجئے غلطی ہوئی میں اپنی پلیٹ سمجھا"

میم "نہیں نہیں آپ کو کباب بہت پسند ہے اور چوری کا بھی شوق ہے" اتفاق سے میم سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تھی، اور خاں صاحب جانتے بھی تھے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور سمجھے کہ چوری میں پکڑا گیا۔ کہنے لگے۔

"حضور قسم وحدہٗ لاشریک کی ڈاکٹر کو دکھا لیجئے عاجز تو رات کا اندھا ہے۔"

میموں نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا "خاں صاحب تشریف رکھیے کھانا کھائیے۔"

ننگا سر، مہین قمیص، خاں صاحب کھاتے کیا خاک، جوں توں پیٹ بھرا۔ گھبرا تو رہے ہی تھے پہلی کا کباب ثابت منہ میں رکھ گئے اور دُو

کانٹے حلق میں ایسے اٹکے کہ اُگل سکتے تھے نہ نگل۔ بولتے ہیں تو بولا نہیں جاتا۔ اشارہ سے پانی مانگا تو اور قہقہہ لگا۔ پانی کا پورا گلاس پی گئے مگر دونوں کانٹے بدستور چُبھے رہے۔ حلق میں ہاتھ ڈال کر نکالنے لگے تو اُبکائی آئی اور جو کچھ اب تک کھایا تھا وہ نکلا۔ باہر اُٹھ کر گئے تو قے کرکے کتا پٹا۔ ڈر کر پیچھے ہٹے تو خانساماں ڈونگے اور پلیٹ لئے آرہا تھا، اُس پر گرے۔ نیچے برتن اُن پر خانساماں اور خانساماں پر خاں صاحب، اُبکائیاں لیتے ہوئے اور قے کرتے ہوئے۔ کمشنر صاحب کی میم، خاں صاحب سے بہت ہی محظوظ ہوئی اور کہا "ویل خانصاحب آپ بہت اچھا آدمی ہے ہم بہت خوش ہوا۔"

خانصاحب: "حضور کا کرم ہے، میں کس قابل ہوں۔"

میم صاحب: "ہم صبح پانچ بجے جائے گا ایک دفعہ آپ کو اور دیکھنا چاہتا ہے آپ سٹیشن پر آئیے گا۔"

خانصاحب: "حضور آنکھوں سے۔"

میم صاحب: "آپ اپنا تصویر ہم کو بھیجئے۔"

خانصاحب: "غریب پرور کل ہی لیجئے۔"

خاں صاحب نے اُکھڑی قمیض میں کانپ کانپ کر کھانے، ملنے، اور تعارف کے تمام مراحل طے کئے۔ گھر پہونچے تو نیند کہاں۔ صبح کی تیاری میں مصروف ہوئے بیوی کو حکم دیا کہ غسل خانہ میں ہیئر لوشن، کنگھی، بیسن، پاؤڈر، منجن سب چیزیں ابھی سے رکھ دو اور دو بجے پانی گرم ملے اور دیکھو دیر نہ ہونے پائے۔"

خاں صاحب تمام انتظام کرکے لیٹے مگر ٹھیک دو بجے آنکھ لگ گئی تو چار بجے ہشیار ہوئے وقت دیکھتے ہی دم نکل گیا گھبرا کر اُٹھے بیوی پڑی خرّاٹے لے رہی تھی۔ جل تو رہے ہی تھے پاؤں پکڑ کر گھسیٹ لیا اور وہ غریب ڈرام

سے پلنگ کے نیچے آ پڑی۔ سیدھے غسل خانہ پہونچے۔ وقت کی بات ہے بجلی بگڑ گئی اور ان کے داخل ہوتے ہی اندھیرا گھپ ہو گیا۔ بیوی سے لالٹین منگوائی تو تیل نہ تھا۔ اندھیرے میں پاؤڈر کے بدلے کلوں پر خوب منجن ملا اور اُلٹے سیدھے کپڑے پہن سٹیشن پہونچے۔ میم صاحب منتظر تھیں۔ دیکھتی ہیں تو خاں صاحب پہنچانے چلے آرہے ہیں۔ اور سفید ڈاڑھی پر سیاہ رخسار عجیب لطف دے رہے ہیں۔ میم صاحب مارے ہنسی کے لوٹ گئیں اور کہا۔

"آپ نے اپنا منہ کیوں کالا کیا؟"

خاں صاحب نے ساری رام کہانی سنائی تو کمشنر صاحب کے بھی پیٹ میں بل پڑ گئے۔ گاڑی روانہ ہوئی تو خاں صاحب گھر پہونچے۔ اب صبح ہو چکی تھی۔ جلتے بھلتے اندر گئے تو بیوی سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔ وہ ہنس رہی ہے یہ جل رہے ہیں۔ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو منجن چھوٹ رہا ہے آئینہ کے سامنے آئے تو نور برس رہا ہے۔ غصہ میں آئینہ توڑا، صابون دانی پھینکی، اور بیوی سے کہنے لگے۔

"تم نے جان کر میرا منہ کالا کیا۔"

بیوی: "کیوں؟"

خانصاحب: "یہ سنکر کہ میم صاحب میری تصویر مانگ رہی ہیں۔"

بیوی: "اچھا تم منہ تو دھو لو۔"

خانصاحب: "اب منہ دھو کر کیا کرونگا جب میم صاحب نے کالا دیکھ لیا ہے اب کس کو دکھانا ہے جو منہ دھوؤں؟"

اس طبیعت اور مزاج کے انسان، ایک بڈھے بیوقوف شوہر سے

ایک جوان، کچھ تھوڑی بہت سمجھدار بیوی کس قدر خوش رہ سکتی تھی اور اس گھر میں مسرت کے کس قدر ڈھیر لگ سکتے تھے ظاہر ہے۔

جب وہ وقت آیا کہ سلیم کی بیوی رضیہ جس کی تصویر کو شیطنت حضور کے ملاحظہ کا فخر حاصل ہو رہا ہے ایک بچے نعیم کی ماں بنے تو دونوں میاں بیوی یعنی سلیم اور رضیہ کی مسرت و محبت اور خواہش و ارمان کا ذکر نعیم اور صرف نعیم رہ گیا۔ ان کے دن کا بڑا حصہ اور رات کی اکثر گھڑیاں بچے کی دیکھ بھال اور خدمت میں بسر ہوتیں وہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر چیز کو فراموش کر چکے تھے۔ لپٹتے تھے چمٹتے تھے، چومتے تھے چاٹتے تھے اور اس گوشت کے لوتھڑے کو سر پر رکھتے تھے، آنکھوں سے لگاتے تھے۔ رضیہ کی مسرت میں البتہ ایک چیز خلل انداز تھی اور وہ فہیم کا وجود تھا کیونکہ وہ دیکھتی تھی کہ سلیم کی محبت آمیز نظریں کبھی کبھار اچٹتی اچٹاتی اِدھر بھی پہنچ جاتی تھیں اور شرکت کا یہ تیر اس کے دل کو زخمی کر دیتا تھا۔

سات سال کا زمانہ آنکھ بند کر کے گذرا اور یہ وہ وقت تھا کہ مردہ فیروزہ کا بچہ فہیم نو میں اور زندہ رضیہ کی جان نعیم ساتویں سال میں تھا۔ ماں کی موت کے ساتھ ہی جس نے فہیم کو ایک بیش بہا دولت سے محروم کیا۔ آج انسانی دنیا کا کوئی ذی روح ایسا نہ تھا جو معصوم دل کو تازہ کر دیتا۔ رات کو جب یہ ننھی سی جان کڑکڑاتے جاڑوں میں سردی سے بچنے کی کوشش کرتا تو فیروزہ کی سہری کا بوسیدہ پردہ اس کے لال کو اپنے دامن میں چھپاتا۔ گرمی کے پہاڑ سے دنوں میں جب وہ رضیہ اور اس کے بچہ کی خدمت سے فارغ ہو کر چبوترہ پر جا بیٹھتا تو نیم کے وہ نمک خوار پتے جن کو فیروزہ کے ہاتھ پانی دیتے تھے اس کی بے کس و بے بس نشانی پر

اپنا سایہ ڈالکر دھوپ سے محفوظ کردیتے۔

شیطنت حضور! میرا دل باغ باغ تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ رضیہ کے نامۂ اعمال میں یہ مظالم ایسا کلنگ کا ٹیکا ہیں جو اس کی دین و دنیا دونوں تباہ و برباد کردیں گے مگر جس طرح اس نے مجھے بچپن سے ٹھونک ٹھونک کر جلایا تھا اس طرح میری کوشش بھی یہ تھی کہ اس کے مظالم کا انبار اس قدر بھاری ہوجائے کہ کوئی نیکی اس کو ہلکا نہ کرسکے۔ وہ مکان جس میں فہیم بدبخت پر رضیہ یہ مظالم توڑ رہی تھی فیروزہ کا تھا در و دیوار اپنے لاچار مالک کی حالت پر اکثر روتے۔ زمین رضیہ کے چاند پر قربان ہوتی اور فیروزہ کے مکان کا آسمان خون کے آنسو گراتا لیکن کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو فہیم کو سوتیلی ماں کے پنجہ سے آزاد کردے۔ نیم کا درخت، درخت کے پتے، اور پتوں کی کونپلیں تڑپ اٹھتیں جب دیکھتیں کہ بن ماں کا بیگناہ بچہ ننھے ننھے ہاتھ جوڑے سنگدل رضیہ کے سامنے کھڑا رو رہا ہے اور اس نے لات مار کر جھٹک دیا۔

شیطنت حضور! تاریخ انسانی داستان مظالم سے لبریز ہے اور جب تک یہ ڈھکوسلا قایم ہے ذہن آن کو فراموش نہیں کرسکتا لیکن کائنات کا ہر ذرہ کانپ رہا تھا اس وقت جب بساط فلک فہیم کی حالت زار پر جو میعادی بخار میں مبتلا تھا چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ بادل کڑک رہا تھا۔ بجلی چمک رہی تھی، اولے پڑ رہے تھے، اور یہ وہ رات تھی جو مسلمانوں میں خاص طور پر متبرک و مقدس ہے اور جس کی بابت ان کا عقیدہ ہے کہ خداوند کریم فلک اول پر تشریف فرما ہوتا ہے (دربار شیطانی کا متفقہ قہقہہ)۔

مؤذن نماز عشا کی اذان بلند کررہا تھا کہ رضیہ اپنے بچہ کے واسطے آتشبازی چھوڑنے صحن میں آئی۔ بچہ کو اس لئے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑجائے پیچھے کھڑا کیا

مہتابی روشن کی انار چھوڑا، پٹاخے سلگا ئے، پھلجھڑی جلائی یہ شبرات کا تہوار تھا اور میں اس اپنی مایۂ ناز تصویر پر فخر کروں گا کہ اس نے سات آٹھ سیر حلوے میں جو خود کھایا اور تقسیم کیا رتی بھر بھی فہیم کو نہ دیا۔ اس بچہ کے بخار کو سترھواں روز تھا۔ آتشبازی کی آواز سنکر اٹھ بیٹھا اور گھسٹ گھسٹا کر درے میں آگیا رضیہ اپنے بچے کی خوشی سے نہال نہال تھی اور چھپا جھپ آتشبازی چھوڑ رہی تھی کہ اس کے کان میں یہ آواز آئی۔

"ایک چھوٹی ہوئی آتشبازی مجھے بھی دیدیجئے۔"

یہ اس معصوم بچے کی آواز تھی جو بخار میں بلبلا رہا تھا یہ خواہش فیروزہ کے اس لال کی تھی جو سنگدل باپ کی کمائی میں برابر کا شریک تھا۔ یہ تماشہ اس سرزمین پر ہو رہا تھا جس کے چپے چپے نے اس کی ما فیروزہ کے قدم اپنی آنکھوں سے ملے تھے شیطنت حضور! آسمان و زمین تھرا گئے جب اس کی معصوم خواہش کا جواب ایک جلتی ہوئی چھچھوندر تھی جو رضیہ نے اس پر یہ کہکر پھینک دی :۔

"لے"

بچہ جھلس گیا اور جلی کی وجہ سے چھچھوندر اسی کے اوپر چکر کھاتی رہی اور تمام بدن کی چربی نکل آئی۔

یہ رضیہ کا ایسا فعل ہے جس کا جواب ہماری اُمت کا بہتر سے بہتر انسان بھی نہیں دے سکتا اور اس لئے میں بصد ادب سفارش کرتا ہوں کہ تمغۂ شیطانی کی مستحق یقیناً رضیہ ہے۔"

پنڈال میں تالیوں کی آواز گونجی، شاباش کے نعرے لگے اور تھوڑی دیر بعد دربار شیطانی سے یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"بلا شبہ رضیہ جیسی عورت کا ہماری امت میں شامل ہونا خوشی کی بات ہے مگر اس کی ان خدمات کا سہرا اس کے شوہر سلیم کے سر ہے جس نے محترمہ رضیہ صاحبہ کو ہماری خدمت گذاری کا موقعہ دیا۔ تاہم درجہ اولیٰ کا نشان رضیہ کو عطا ہوتا ہے۔"

تیسری تصویر

ناکڑے والی بہری

رضیہ کا فیصلہ ہوتے ہی وزیر سلطنت نے کھڑے ہو کر ایک اور تصویر پیش کی۔ مگر ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ فضا شیطانی میں قہقہوں اور تالیوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ یہ ایک ستر بہتر برس کی بڑھیا عورت تھی، رنگ نہایت سپید تھا مگر ناک اس قدر سرخ اور موٹی تھی کہ دیکھنے والے کو بیساختہ ہنسی آتی تھی۔ غل غپاڑہ ختم ہوا تو وزیر نے اس طرح عرض کیا:۔

"شیطنت حضور! یہ تصویر ہندوستان کی مشہور عورت ناکڑے والی بہری کی ہے۔ اس نیکبخت کے اعضا کی ساخت ہنسی کی پوٹ ہے کیونکہ اس کی ایک ناک کا وزن معمولی دو ناکوں سے کم نہیں۔ یہ خوش قسمتی سے بہری بھی ہے اور اپنے سوا کسی دوسرے کی نہیں سنتی۔ میں نے اس کی تصویر انسان بنکر اتاری ہے کیونکہ باوجود اس پیرانہ سالی کے انتہائی چبلی اور چلبلی عورت ہے۔ میں ڈرتا تھا کہ اگر چپکے سے تصویر لوں اور یہ بیچ میں قلابازی کھا جائے تو کیا کروں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ "ایک ذرا سیدھی طرف جھک جا" یہ شاید سمجھی ہو گی کہتی کیا ہے "رشا می کو اب!" میں نے پھر کہا "ذرا سیدھی طرف جھک جا" اس نے غور سے سنا اور کہنے لگی "مچھلی کے؟ ہاں

کھاؤں گی۔" میں نے اور چیخ کر کہا" ارے بی سیدھی طرف ذرا جھک جاؤ" اس نے بہت غور سے سنا اور بولی۔" اچھا سمجھ گئی بریانی لائے ہو! لاؤ دیدو" آخر میں جل گیا اور جھپٹ کر اس کو سیدھا کیا تو اُٹھ کھڑی ہوئی اور یہ کہکر چلدی کہ" تم اتنے کھانا رکھ دیں ذرا ہاتھ دھولوں" فوٹو لینا مصیبت ہوگیا۔ بازار سے جاکر مٹھائیاں اور کچوریاں لاکر دیں کھا پی چکی تو خدا خدا کرکے یہ نچلی بیٹھی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو گلے پھلائے، زبان باہر نکالے بیٹھی ہے۔ میں پھر چلایا کہ" سیدھی طرح بیٹھ۔ نہیں تو میرا روپیہ دیدے۔ میں جاتا ہوں" جواب کیا دیتی ہے" اور کپڑے نہیں ہیں" میں اور چلایا کہ "پچیس روپیہ تصویر اتروائی دیئے۔ کھانا کھلایا تو اب کپڑوں کی جان ہی ہے؟" میں بگڑ کر پاس پہونچا اور خفا ہوا تو بولی۔

"خدا کی قسم بھائی صاحب کپڑے نہیں ہیں"

میں" تو سیدھی طرح بیٹھ جا"

یہ" دوپٹہ بدل لوں"

میں" پاگل ہے۔ کیسا دوپٹہ۔ سیدھی بیٹھ"

یہ" ہاں ہاں۔ بیٹھے سالئے لے آؤ"

اب تہذیب کی حد ہو چکی تھی اور میں جھلس رہا تھا میں نے کہا۔

"کیوں چلا رہی ہے۔ تصویر اتروائی ہے اُترو۔ نہیں روپے اُلٹے پھیر"

یہ" ہاں درزی کی دوکان تو پاس ہی ہے"

میں" چپ"

یہ" بھائی جان ذرا جوتی چاول بھر ڈھیلی ہی رکھنا"

میں" چڑیل ایک تھپڑ اس زور کا دونگا کہ چہرہ پھر جائے گا"

یہ۔ "کیا؟ ساڑھی بھی لاؤ گے؟"

میں "مر آلو کی پٹھی"

یہ۔ "ہاں ہاں لال رنگ کی"

میں۔ "اب تو تصویر اترواتی ہے یا نہیں؟"

یہ۔ "کنگھی بھی کروں"

میں۔ "تشت آلو کی پٹھی"

یہ۔ "ہاں ٹھیک ہے تم کپڑے لاؤ میں کنگھی چوٹی کروں"

میرے واسطے سخت مصیبت تھی کہ اس کے بناؤ سنگار اور کپڑے لتے کا انتظام کروں۔ خاموش کھڑا دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہا تھا کہ یہ سٹ پٹا کر اٹھی اور کہنے لگی "یہاں آؤ" میں دالان میں اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ یہ وہاں سے ایک دروازہ میں گھسی اور مجھ سے کہا "چلے آؤ" یہ مکار مجھے تہہ خانہ میں لے گئی اور وہاں ادھر ادھر دیکھ مجھ سے تو کچھ نہ کہا اور باہر نکل دروازہ بند کر کنڈی لگا سیدھی ہولی، مجھے بند ہوئے کوئی پانچ چھ گھنٹے ہو گئے، بہتیرا چیخا پیٹا، غل مچایا کنڈیاں کھٹکھٹائیں، مگر یہ ٹس سے مس نہ ہوئی ہاں اس کے ٹھٹھوں کی آوازیں میرے کانوں میں آتی رہیں میں سوچ رہا تھا کہ خیر میں تو شیطان ہوں لیکن یہ میری بھی خالہ نکلی۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک دیوار میں سے یہ نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔

"بھائی جان بھوک لگ رہی ہوگی؟"

میں نے اُچک کر اس کی گردن پکڑلی اور یہ دھڑ سے نیچے آپڑی مگر اس کے گرتے ہی تہہ خانہ میں اندھیرا چھا گیا کیونکہ روشنی فقط دروازہ کی تھی۔ دفعتہً میری پیٹھ پر ایک دو ہتڑ پڑا اور میں نے اسے بھاگتے دیکھا میں بھی دوڑا۔ آگے آگے

یہ اور پیچھے پیچھے ہیں۔ اس نے لپک کر برقعہ اوڑھا اور باہر نکلی میں بھی ہکی بکی
اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے برابر سے ایک لڑکا سر پر جلیبیوں کا تھال بیچتا ہوا
نکلا۔ اس نے پیچھے سے تھال پھینک دیا۔ لڑکے نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑے
میاں چپ چپاتے جا رہے تھے۔ اس نے ان کو پکڑ لیا، لوگ جمع ہوئے
بڑے میاں لاکھوں قسمیں کھا رہے ہیں مگر لڑکا روئے جا رہا ہے اور نہیں سنتا۔
یہ پلٹی اور بڈھے کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگی۔

"اس سفید ڈاڑھی پر یہ حرکتیں؟ بچوں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی؟
میں نے خود تم کو تھال پھینکتے دیکھا ہے" اس کی گواہی پر مجمع بڈھے کے سر
ہو گیا تین روپیہ دلوائے اور مار پیٹا الگ۔ اب یہ نا کڑے والی بھری آگے
بڑھی۔ میں ان کی اردلی میں حاضر تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ مغرب کے بعد ایک
میت آتی ہوئی دکھائی دی۔ عزیز و اقارب رو پیٹ رہے تھے۔ یہ بھی
ساتھ ہو لی اور میں اس کے پیچھے پیچھے قبرستان پہونچے تو قبر تیار تھی اور
عشا کی اذان ہو رہی تھی لوگ میت کو قبر کے سرہانے رکھ نماز کو گئے۔ جب
سناٹا ہوا تو یہ میت کے پاس پہونچی اور چاروں طرف دیکھ میت کی چادر
اتار چارپائی پر لیٹ گئی، جب میت والے نماز پڑھ کر لوٹے تو یہ کفن اوڑھے
سیدھی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

"آؤ آؤ آؤ"

اس کا نعرہ سنکر سب ڈرتے ہوئے بھاگے اور یہ لکڑی ٹیکتی ان کے
پیچھے لپکی وہ سب پریشان ہو گئے کہ میت میں کوئی سما گیا اور ایسے بھاگے کہ
پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔ اس نے آکر بہ اطمینان توشہ کی روٹی حلوا اور خشکہ کھایا۔
پانی موجود نہ تھا گلاب کی بوتل جو قبر میں پڑتی، پوری پی گئی اور چلتی ہوئی۔

شیطنت حضور! میں دعوے سے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہماری اُمت میں چند عورتیں بھی نا کڑے والی بہری کی طرح اور شریک ہو جائیں تو ہم چند ہی روز میں خدائی طاقت کا خاتمہ کر دیں یہ وہ قابل فخر و مایہ ناز خاتون ہے جس کے دل میں انسانیت، رحم، خلق، مروت کا کبھی گذر ہی نہیں ہوا۔ یہ وہ جری و شجاع بی بی ہے جس نے حصول مقصد میں بچے اور بڈھے عورت اور مرد کمزور اور طاقتور کبھی کسی کی پروا نہ کی۔ یہ وہ بے مثل ہستی ہے جس کے وجود سے ذی روح دنیا کو ہمیشہ اذیت پہونچی یہاں تک کے واقعات اس کی سفارش کا کافی حق رکھتے ہیں اس کے آگے جو کچھ ہوا وہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔

قبرستان سے پیٹ بھر بھرا یہ سیدھی گھر پہونچی اور شیطنت حضور کا یہ ادنیٰ غلام مکھی کی ہیئت میں اس کے ہمراہ رہا۔ اس نے گھر پہونچکر مردانہ لباس پہنا۔ فرضی ڈاڑھی مونچھیں لگائیں۔ توے کی سیاہی سے منہ کالا کیا۔ ہرن کے دو سینگ اپنے ماتھے پر لگائے اور برقع اوڑھ کر باہر نکل گئی۔ میں اس کے ساتھ تھا اس نے کئی گھروں میں کھڑے ہو کر جھانکا۔ آخر ایک ایسے گھر جہاں چار پانچ عورتیں کوٹھے پر بیٹھی کچھ کپڑے لئے سامنے رکھے گفتگو کر رہی تھیں یہ داخل ہوئی۔ اس وقت کوئی مرد وہاں موجود نہ تھا۔ یہ اپنا برقع دروازہ میں پھینک کوٹھے پر چڑھی اس کی صورت دیکھ کر جو بالکل دیو معلوم ہوتی تھی عورتیں چلاتی ہوئی بھاگیں اور ایک تو وہیں بیہوش ہو کر گر پڑی اس نے کپڑے اٹھا کر بغل میں لیئے اور چلی۔ عورتوں کے چیخنے چلانے سے پڑوس کے مرد دوڑے۔ یہ کوٹھے پر سے اتر رہی تھی کہ اس کا پاؤں پہلی سیڑھی سے رپٹا اور رار دھیگن کی طرح لڑکتی ہوئی نیچے آئی۔ مرد بھی آ گئے تھے یہ ادھر تو گری اوپر سے لکڑیاں

پڑنی شروع ہوئیں مردوں نے اس کا منہ کھولا سینگ گر پڑے تو پتہ چلا یہ ناک کٹے والی بھری ہیں۔

شیطنت حضور! میں ناک کٹے والی بھری کے استقلال کا مداح ہوں۔ مجھے چونکہ اس سے دلی ہمدردی تھی اس لئے میں اس کی گرفتاری سے پریشان تھا مگر یہ مردوں سے چونکی لڑ رہی تھی۔ برقع اتر گیا، سینگ اکھڑ گئے دانت نکل گئے، اور صاف صورت نکل آئی۔ مگر جو ایک کہتا تھا یہ اس کو دس سناتی تھی۔ ایک نوعمر لڑکے نے جل کر اس کے ایسا تھپڑ دیا کہ چہرہ پھر گیا۔ مگر یہ بھی نہ چوکی۔ ایک مرد اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اس نے وہیں کھڑے کھڑے اس نوعمر لڑکے کی کمر میں ایسی لات دی کہ چکرا کر گر پڑا۔ یہ یہی کہتی رہی کہ "میں تو لڑکی بالیوں سے مذاق کر رہی تھی کیسی چوری اور کس کا ڈاکہ؟ دنیا جانتی ہے کہ میں مذاقن ہوں ایسے ایسے کپڑے تو میرے ہاں خدا جانے کتنے بھرے ہوں گے" اس کے ساتھ ہمدردی تو کسی کو نہ تھی مگر اس کے بڑھاپے کا بعض آدمی احترام کرتے تھے۔ اس لئے تجویز ہوئی کہ تنبیہ کے طور پر اس کو ایک آدھ روز حوالات میں رکھنا چاہئے تنبیہ ہو جائے گی۔ داروغہ جیل بھی اس کی زیارت کا مشتاق تھا۔ ہنس ہنس کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور سب نے ملکر زنانہ حوالات میں داخل کر دیا۔ چونکہ اس کی گرفتاری باقاعدہ نہ تھی اس لئے کوئی اہتمام یا روک نہ تھی۔ دوسرا یا تیسرا روز تھا کہ سہ پہر کے وقت ایک مجرم عورت جیل خانہ میں مرگئی۔ جیل خانہ والوں نے اس کو ایک چارپائی پر ڈالکر باقاعدہ اطلاع دی اور یہ معلوم کر کے کہ اس کا کوئی وارث نہیں طے کیا کہ اس کو قبرستان میں دبا دینا چاہئے۔

جھٹ پٹا ہوتے ہی ناک کٹی والی بھری نے اپنا منہ کالا کیا اور اس کے

کمرہ میں پہونچ، مردہ کو الگ پھینک، آپ چارپائی پر کپڑا اوڑھ لیٹ گئی۔
دو قیدی چارپائی اٹھاکر لے چلے۔ ان کے ساتھ ایک جمعدار تھا۔ ان دونوں
کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اول شام تھی۔ قیدی چارپائی سر پر رکھے چلے جارہے
تھے اور جمعدار سگریٹ پی رہا تھا کہ جنگل بیابان میں یہ بی ناک کٹے والی بھری
کسمساکر اٹھیں اور اٹھتے ہی آگے والے قیدی کے سر پر تھپڑ دیا۔ وہ جو پلٹ
کر دیکھتا ہے تو مردہ اٹھا بیٹھا ہے۔ دونوں چیخ کر بھاگے۔ آگے آگے وہ ان کے
پیچھے جمعدار اور اس کے پیچھے مردہ! عجیب پُرلطف نظارہ تھا، قیدی
گر رہے تھے اور اٹھ رہے تھے جمعدار بدنصیب کرا دھر تو آسامیوں کی
فکر تھی اُدھر جان کے لالے تھے۔ جب تینوں کے تینوں غائب ہو گئے
تو یہ ٹھٹکی اور اس نے اپنے گھر کا راستہ لیا۔

شیطنت حضور! یہ خادم بھی ان سرکار کے ساتھ اپنے تمام تعلقات
چھوڑ چھاڑ خدمت میں حاضر تھا۔

ایک ہفتہ گذرا ہو گا کہ شہر میں ایک درویش کامل تشریف لائے۔ ان حضرت
کا نام پیر زلفی تھا کیونکہ ان کی زلفیں کمر سے بھی نیچی تھیں۔ لوگ جوق در جوق
جمع ہونے شروع ہوئے۔ پیر جی کی کراماتیں بچہ بچہ کی زبان پر تھیں ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ خداوند کریم پیر بن کر تشریف لے آئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ہر مراد
پوری کرتا تھا اور ہر وقت لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے
تھے۔ یہ وہ جماعت تھی جس کا کام زندہ اور مردہ پیروں کی پرستش تھا۔
اس پیر کو عورتوں میں کامیابی کے واسطے ایک ماہر عورت کی ضرورت تھی۔
ناک کٹے والی بھری نے ان کا شہرہ سُنا تو وہ بھی پہونچیں۔ دونوں ایک دوسرے
سے بڑھ کر افعی! پیر جی نے بھری کو اور بھری نے پیر جی کو پہلی ہی نگاہ میں تاڑ لیا۔

دس بارہ لفنگے ہاتھ باندھے اور حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ تاکڑے والی بھری ڈولی سے اُتریں۔

اُچکوں کو بھری کے آنے کی خبر لگ چکی تھی کہ ایک آدمی نے آکر کہا۔

"بھری بیگم کی سواری آرہی ہے"

پیر جی نے ہزارہ تسبیح سنبھالی مریدوں نے مصنوعی مراقبہ شروع کیا۔ بھری اُتریں تیس بیچ کی بیگم بنی ہوئی، ریشمی برقع، ڈاسن کا بوٹ۔ ایک مرید نے جلدی سے اُٹھ، اندر کے دروازہ میں تھوڑا سا پانی ڈال، کیچڑ کر، خربوزے کے چھلکے اِدھر اُدھر ڈال دئیے، پیر جی نے آنکھیں بند کر ہزارہ پھیرنا شروع کیا اور کبھی کبھی کنکھیوں سے آسامی کو بھی دیکھ لیتے تھے اور پھر جھٹ سے "یا حبیب" کی آواز بلند کر دیتے تھے۔ تاکڑے والی بیگم زرق برق گھبرا کر بڑھیں اور سٹ پٹا کر چلیں تو چھلکے پر سے پاؤں رپٹا اور اس طرح گریں کہ ٹانگیں نیچی اور سر اوپر۔ برقع کیچڑ میں لت پت۔ مرید بسم اللہ بسم اللہ کہتے آئے اور پیر صاحب بھی آکر فرمانے لگے:

"گرا کون اور گرایا کس نے"

ایک مرید نے عرض کیا "حضور گرانے والے بھی آپ اور گرنے والے بھی آپ ہی۔"

پیر جی "ہم تو فقط بیگم کو آزما رہے تھے۔"

اس فقرے پر لت پت بیگم نے برقع ہی سے آدھی آنکھ نکال کر حضور کو پہچانا اور حضور نے بیگم کو۔ حضور نے جھٹ اپنی لوئی دی اور کہا "بیگم یہ اوڑھو" اور بیگم صاحب سکڑ سکڑا پیر جی کے سامنے آکر بیٹھیں۔

کسی پیر کی انتہائی شفقت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی کھائی ہوئی کوئی جھوٹی چیز مرید کے حوالہ کرے اور مرید کی عقیدتمندی کا انتہائی ثبوت یہ کہ

وہ پیر کے علش کو شیر مادر کی طرح نگل جائے اور پاکیزگی کے تمام جذبات فنا کر کے حضور کے عطیہ کو جنت کی نعمت سمجھے۔ پیر جی کو ثابت کرنا تھا کہ بیگم خاص الخاص مرید ہے اس لیے جلیبی کا ایک ٹکڑا خود کھایا اور ایک بیگم کو دیا مریدوں نے نعرہ لگایا "نعمت! نعمت! نعمت" بیگم نے ٹکڑا منہ میں رکھا اور مرید ہوگئیں۔ دوسروں کے دکھانے کو یا مریدوں کے دل پر سکہ جمانے کو کچھ اللہ رسول کی باتیں بھی، مگر ایسی کہ پیر جی اللہ میاں کے کوئی ساتھی اور رسول اللہ کے کوئی قریبی عزیز معلوم ہوں، ایسے موقعہ پر اکثر ہوتی ہیں۔ پیر صاحب نے فرمایا۔

"تمہارے آنے کی خبر تو ہمیں رات ہی کو بغدادی بھیا نے دیدی تھی ہمارا تو کام ہو چکا اب ہم یہاں کی ولایت تمہارے سپرد کر کے دو ایک روز میں چلے جائیں گے۔ تم یہاں کا کام سنبھالو مگر دیکھو گڑبڑ نہ ہو"

بیگم: "تو جو کچھ دال دلیا ہو آج شام کو غریب خانہ ہی پر قبول فرمائیے"

پیر جی: "مگر دیکھو لہسن کی چٹنی ضرور ہو یہ سرکار کی بہارت ہے نذرانہ ہم کچھ نہیں لیا کرتے یہ تمہارے بھائی بیٹھے ہیں ان کو جو توفیق ہو دیدینا"

اب ناک کٹے والی بھری روانہ ہوئیں اور شہر بھر میں ڈھنڈورہ پیٹتی پیر جی کی کرامت اور خدائی کے گیت گاتی چلیں۔ مریدی کا سودا تعلیم کی کمی کے سبب سے عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے جس نے سنا اور جو سنا ایمان لے آئی۔ بھری ہر گھر میں ایک نئی کرامت بیان کرتی اور چندہ بٹورتی۔ ایک جگہ اس نے کہا کہ "میرے تو ہوش اڑ گئے۔ خلیفہ نے آ کر کہا "حضور گھی ہو چکا" ہنس کر فرمایا "برتن لاؤ" دوسرا خالی برتن لایا گیا حضور نے جھانک کر فرمایا "گھی تو موجود ہے" برتن سب نے خالی دیکھا تھا اب جو دیکھتے ہیں گھی بھرا ہوا ہے"

دوسری جگہ کیا کہتی ہے۔ "دلیوں کا نام تو بہت سنا تھا اب آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کل شام کو بیٹھے بیٹھے آنکھیں سرخ ہوگئیں، سر کے بال کھڑے ہوگئے۔ منہ سے اتنے کف جاری ہوئے کہ میں ڈر گئی۔ خلیفہ جی نے کہا سب ہٹ جاؤ وحی آرہی ہے، جب حالت ٹھیک ہوئی تو فرمانے لگے:" بھائی نصروا موسیٰ بھی بہت ڈرپوک تھا بیہوش ہوگیا۔ ہم تو اللہ سے اس طرح باتیں کرتے ہیں، جیسے بربر کا یار۔ پہلے تو ہماری بات پوچھی نہیں اب پریشان ہوئے تو زلفی شاہ سوجھے ملکن موت کے سوا ایک فرشتہ آسمان پر زندہ نہیں ہے سارے کام یوں ہی کیوں ہی پڑے ہیں۔ دیکھتے نہیں گرمی کے تین مہینے صاف نکل گئے، ایک بوند نہیں پڑی کل کام اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں ہیں اب کیا ہاتھ بٹاؤں جیسا جیسا کیا ویسا بھرو۔ اس وقت یہ ہی کہہ رہے تھے کہ بھائی زلفی جس طرح ہو تھوڑے سے فرشتے بھیجو آسمان صفا چٹ پڑا ہے۔"

"اتنا کہہ کر حضور نے قہقہہ مارا اور ہم سب دم بخود تھے کہ اٹھکر قبرستان کی طرف چلے اور وہاں پہونچ کر حکم دیا "سب آنکھیں بند کرلو خبردار جب تک ہم نہ کہیں مت کھولنا" ہم نے آنکھیں بند کیں حضور نے چیخ کر فرمایا۔

"مُردو! باہر نکلو"

جب سب نکل آئے تو حکم دیا کبوتر بن جاؤ اور اُڑ جاؤ ہم سے کہا آنکھیں کھول دو ہم جو دیکھتے ہیں تو جھڑا کبوتر آسمان کی طرف جارہا ہے۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ سبحان اللہ"

غرض بی بھری نے دن بھر راگ الاپا اور چندہ جمع کیا شام کو کئی جگہ سے

لہ نعوذ باللہ ۱۲

کھانا آیا اور بیسیوں عورتیں زیارت کو جمع ہوئیں پیر جی نے، ان کے مریدوں نے، اس بہری نے، خوب ڈٹ کر کھانے اڑائے۔ اس نے آدھا چندہ خود رکھا اور آدھا خلیفہ کے حوالہ کیا۔ چلتے وقت عورتوں نے وہ بدعت مچائی کہ خدا کی پناہ۔ کوئی ہاتھ چوم رہی ہے کوئی قدموں میں گر رہی ہے ایک سجدے کر رہی ہے دوسری رکوع میں پڑی ہے۔

پیر نے کسی کو دعا دی، کسی پر دم کیا، کہیں ہاں کی، کہیں ہوں کی غرض پیٹ اور جیب بھر، چلتے ہوئے۔

پڑوس میں ایک بگڑے دل بھی رہتے تھے کچھ تھوڑے بہت پڑھے لکھے بھی تھے اور قومی کاموں سے بھی تعلق رکھتے تھے مزاج میں تیزی بھی تھی اور شرارت بھی ہر چند پیچھے پیچھے بہتیری مخالفت کی مگر مسلمان کیا ماننے والے تھے وہ آؤ بھگت ہوئی جدھر پیر جی نکل جاتے تھے اور جس گھر میں پہونچ جاتے تھے گویا خداوند کریم ہی کا ظہور ہو جاتا تھا۔ پیر ہر فن مولا ہوتے ہیں چنانچہ زلفی شاہ حکیم بھی تھے۔ اتفاق سے ایک عورت دعوت کرنے آئی اور عرض کیا میری لڑکی کا نکاح ہے حضور کھانا میرے ہاں کھائیں۔ بہری ساتھ تھیں انہوں نے سفارش کی۔ حضور نے منظور فرمایا، حکم یہ تھا کہ ہم سے جو عورت پردہ کرے وہ دوزخی ہے۔ سرکار نے نئی عورت کی صورت دیکھ کر کہا "تم کچھ بیمار معلوم ہوتی ہو" عورت نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ظاہر میں تو کوئی شکایت نہیں سرکار نے فوراً نبض پر ہاتھ ڈالا اور کہا "تم سخت بیمار ہو دل دھڑکتا ہے نیند کم آتی ہے بھوک بھی کھل کر نہیں لگتی۔" عورت جواب میں ہاں کے سوا کیا کہہ سکتی تھی۔ قبض کی بھی شکایت کی حضور نے ... گولی قبض کشا حوالہ کی اور فرمایا" دوا برائے نام ہے۔ اصل

ہیں دُعا ہے۔ جا اچھی ہو گئی۔"

عورت گھر پہونچی تو مہمان بھرے ہوئے تھے اور برات کے آنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پانی سے گدلی نگلی۔ گدلی جمال گوٹہ کی تھی، دست چھوٹ گئے اور کوئی گھنٹہ بھر میں دس بارہ آئے۔ دہان پان تو پہلے ہی تھی دستوں نے اچھور کر دیا۔ برات آ گئی سمدھن اور مہمان دولہن کی اماں کو آوازیں دے رہے ہیں اور وہ لوٹا ہاتھ میں لئے پاخانہ کے پھیروں پہ پھیرے کر رہی ہیں۔ سمدھن نے غل مچایا تو آئیں مگر پیٹ پکڑے ہوئے اور سانس روکے ہوئے جوڑا چڑھاوا سامنے رکھا تھا۔ دولہا کی ماں نے کہا آئیے یہ ملاحظہ فرمایئے، نقاہت اتنی تھی کہ بیچاری سے چلا نہ جاتا تھا چکر آیا اور سمدھن پر اس زور سے گریں کہ وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ مہمان "سمر گی مر گی" کہہ کر دُور بھاگ گئے دولہن غریب اندر کوٹھری میں دبکی بیٹھی ہول رہی ہے۔ سر ما کو کیا ہوا گرمی قیامت کی تھی اندر کوٹھری میں ہوا کا گذر نہیں۔ اس پر گھونگٹ اور بھاری کپڑے! ماں کی یہ کیفیت سن اور بیہوشی دیکھ لڑکی کو بھی غش آ گیا اور مہمانوں نے کہا۔

"ارے ماں بیٹیوں کو مرگی ہے"

ادھر بیٹی پڑی ہے ادھر اماں اور مہمان دور سے جھانک جھانک کر کوئی ہنس رہا ہے کوئی افسوس کر رہا ہے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ بیہوش ماں کا جمال گوٹہ رنگ لایا اور فرش، چاندنی خراب ہوئی سمدھنیں بھی اور مہمان بھی ناک بند کئے دُور کھڑے تھے کہ بدبخت کو ہوش آیا۔ اُٹھی تو شرمندہ آنکھ سامنے نہ ہوتی تھی۔ پیر جی کو دل میں دُعائیں دے رہی تھی کہ دولہا کے آنے کا غل ہوا۔ عورتیں دولہا کو دیکھنے گئیں اور اماں جان لوٹا لیکر دوسری

طرف۔ مردانہ میں نکاح کی جلدی ہو رہی ہے اور زنانہ میں یہ گذر رہی ہے۔ وہاں دولہن کی اماں کے نعرے لگ رہے ہیں اور دولہن کی آپا خانہ میں تشریف رکھتی ہیں۔ بی بھری نے آ کر فرمایا۔ "نکاح پیر جی پڑھائیں گے۔" دولہا کا نام مقبول خاں تھا دولہن کا قبول بیگم پیر جی نکاح پڑھانے بیٹھے مگر حقیقت یہ ہے کہ پیر جی کے باپ کو بھی نکاح پڑھانے کا اتفاق نہ ہوا تھا خطبہ تو بڑی چیز ہے دولہا دولہن کا نام پوچھ کر نکاح پڑھانے بیٹھا تو کیا کہتا ہے:۔

"اللہ اللہ اللہ، رسول اللہ، وہ اللہ سب اللہ مقبول قبول قبول قبول۔ دُعا مانگو۔"

شیطنت حضور! میں تو اپنی بھری کا قائل ہوں ادھر تو نکاح ہو رہا ہے اور یہ ایک چار برس کی بچی کو جو زیور میں لدی ہوئی تھی اوپر لے گئی مکان کے نیچے تالاب تھا سارا زیور اُتار بچی کو تالاب میں پھینک دیا اور سب کو چھوڑ چھاڑ چلتی ہوئی۔

میں نے فوراً اس کی تصویر اُتاری اور کہا یاکہ تیرے راز کا مجھے علم ہے اگر تصویر میں دیر کی تو ابھی افشا کرتا ہوں چنانچہ یہ تصویر پیش کر کے سفارش کرتا ہوں کہ تمغۂ خاص جس کا اعلان ہو چکا ہے تاکڑے والی بھری کو عطا ہو۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ

"بیشک تاکڑے والی بھری ہماری خاص عنایت کی مستحق ہے، لیکن تمغۂ شیطانی کے واسطے اس سے بھی اعلیٰ وارفع خدمات کی ضرورت ہے۔"

دربارِ شیطانی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد کچھ دیر سناٹا طاری رہا آخر

وزیر جنگ نے یہ خموشی توڑی کھڑا ہوا اور اس طرح دست بستہ عرض کرنے لگا۔

"شیطنت حضور! کائنات کی یہ تین بہترین تصویریں جو میں نے تمغۂ شیطانی کے واسطے پیش کیں اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور حق یہ ہے کہ ان ہی نادر الوجود صورتوں کی بدولت ہماری حکومت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اگر ہماری اُمت میں ایسے افراد نہ ہوں یا نہ ہوتے تو یقیناً خدائی فوج ہم پر کبھی کی غالب آ چکی ہوتی اور ہمارا قلع قمع ہو جاتا ہماری سلطنت کا سہرا ان ہی حضرات کے سر ہے اور ان ہی کے طفیل ہم دنیا پر راج کر رہے ہیں۔ یہ وہ مایۂ ناز ہستیاں ہیں جن کی صورت دیکھ کر خدائی فوج یعنی فرشتے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک بجائے خود تمغۂ شیطانی کا بہترین مستحق ہے مگر فیصلہ عزازیلی کے سامنے کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے۔ اب میں بصد ادب یہ تصویر پیش کرتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ جوان مسلمان جس کی خدمات بے مثل و بے نظیر ہیں ضرور کامیاب ہوگا اور تمغۂ شیطانی کے حصول کی عزت اسی کو حاصل ہوگی۔ (چیرز۔ چیرز — چیرز۔)

چوتھی تصویر

شیطنت حضور! یہ بڈھا جس کی جوان تصویر شیطنت حضور کے پیش نظر ہے، ہندوستان کا رہنے والا موتیوں کا تاجر ہے۔ یہ اپنے باپ کی تجارت اور دادا کی دولت کے طفیل روپیہ اور اشرفیوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے بچپن کا بڑا حصہ صنوبر کے ساتھ جو اس کی ہم عمر اور دفتر کے میر منشی کی لڑکی تھی بسر ہوا۔ یہ یعنی شمس اور صنوبر پائیں باغ میں دن رات کھیلتے تھے فراست دولت سے متعلق نہیں صنوبر کی سنجیدگی بچپن ہی سے اپنے مستقبل کا اور شمس کا چھچھورپن اوائل عمری سے

اپنے انجام کا پتہ دے رہا تھا۔ صنوبر صبح کے وقت شمس کے ساتھ پھول توڑنے میں، درختوں پر چڑھنے میں اُچھلنے کودنے میں گلدستے بنانے میں مصروف رہتی مگر نسوانی خودداری کا رشتہ جو اس کی سرشت میں تھا ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ شمس دوپہر کے وقت گھاس کے گھر بنانے میں نہر سے پانی لینے میں، ہار گوندھنے میں صنوبر کے ساتھ لپٹا رہتا لیکن تمکنت جو تمول کا خاصہ ہے اس سے جدا نہ ہوتی۔

گرمی کی ایک صبح کو جب بارہ تیرہ برس کا شمس اور نو دس برس کی صنوبر روش پر بیٹھے چشمہ کی روانی میں منہمک تھے گلاب کے ایک تختہ سے بلبل کا نالہ بلند ہوا۔ بلبل گلاب کے پاس بیٹھی ہوئی دور گذشتہ کے فراق کو یاد کر رہی تھی، پھول کو چمٹتی تھی لپٹتی تھی اس کے منہ پر منہ رکھ دیتی تھی، اور پھر حالت وجد میں بیتابانہ تڑپ کر فریاد بلند کرتی تھی۔

دونوں اس کی کیفیت کا مطالعہ کر رہے تھے مگر آج ان کے معصوم دماغ بلبل کے جذبات سمجھنے سے قاصر تھے۔ ہوا کا جھونکا زور شور سے آیا اور سرد کا ایک چھوٹا سا تنکا شمس کی آنکھ میں جا پڑا۔ کھٹک لمحہ بہ لمحہ بڑھی اور تکلیف زیادہ ہونے لگی تو صنوبر نے اپنی اوڑھنی کی بتی بنا کر تنکا نکالا شمس کی تکلیف جاتی رہی تو اس نے ایک پھول توڑ کر صنوبر کی مانگ میں لگایا اور کہا "یہ تمھاری عنایت کا شکریہ ہے" صنوبر نیچی نگاہ کر خاموش ہو گئی۔

اب پردہ کی دیوار ان دونوں کے بیچ میں حائل ہوئی مگر صنوبر ایک ایسی ادا کے بعد روپوش ہوئی جس کی یاد شمس کو اکثر اذیت پہنچاتی تھی۔

دن گذرنے لگے اور وہ وقت بھی آیا کہ شمس اٹھارہ انیس سال کا ہوا اور صنوبر سولہ سترہ سال کی۔ باغ کے اندرونی حصہ میں میر منشی صاحب کا چھوٹا سا مکان تھا۔ شمس بہت سی توقعات اپنے دل میں لئے باغ کے کسی نہ کسی حصہ میں پہونچ جاتا اور خاموش واپس آجاتا۔ اس کی افسردگی اور خاموشی ماں باپ کے علم میں تھی۔ وہ اکلوتا اور لکھ پتی ماں باپ کا بچہ تھا اور اس کی شادی کے چرچے گھر بھر میں ہو رہے تھے۔ اونچے اونچے گھرانوں کی لڑکیوں کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا مگر یہ کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکتا تھا کہ صنوبر اس کی اہل ہے۔ مجبور شمس نے ایک عزیز کے ذریعہ سے ماں کو مطلع کیا اور بتا دیا کہ اگر اس کی شادی صنوبر سے نہ ہوئی تو وہ خودکشی کرلے گا۔

صنوبر اور اس کے ماں باپ متمول تو نہ تھے مگر دولت علم سے مالا مال تھے۔ شمس اور اس کے والدین پڑھے لکھے خاک نہ تھے مگر دولت اتنی تھی کہ پھاوڑوں کاٹے بھی ختم نہ ہو۔ صنوبر کا نام سنتے ہی شمس کی ماں سناٹے میں رہ گئی، اور اس نے فوراً کہا۔

"کیا شریف زادیاں دنیا سے اجڑ گئیں جو صنوبر سے نکاح کروں"

مقابلہ دولت و علم کا نہ تھا نخوت و انسانیت کا تھا۔ جب شمس کو یقین ہوگیا کہ ماں باپ میری خواہش کو نظر انداز کر رہے ہیں، تو وہ خود صنوبر کے باپ کے پاس پہونچا اور پیام دیدیا۔ باپ نے بیٹی سے مشورہ کیا اور یہ جواب دیا۔

"پیام نکاح تمہارا جائز حق ہے اور شرع اسلام نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم مجھ سے درخواست کرو۔ مجھے بھی اس رائے سے متفق ہونے میں تامل نہیں مگر ہم سب جن میں صنوبر بھی شامل ہے تمہاری دولت سے

ڈرتے ہیں۔ اس کا نشہ اتنا زبردست ہے کہ انسان آسانی سے نہیں سنبھل سکتا۔ صنوبر غریب ہے۔ غریب باپ کی بیٹی، تم امیر ہو امیر کے بچے بہرحال ہم کو مہلت دو کہ اس پر اور غور کریں"

شمس کی حالت روز بروز ردی ہو رہی تھی اس کے سامنے ہر وقت صنوبر کے ابتدائی واقعات تھے اس کا بچپن اس کی بھولی باتیں اس کی سنجیدگی لمحہ بھر کو بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تھیں۔ اس نے انتہائی کوشش کی اور جب صنوبر کے والدین کو اس کی صداقت کا یقین ہو گیا تو نکاح کر دیا۔

گو شمس کے والدین نے صنوبر کو منہ نہ لگایا مگر اس نے اپنی طرف سے ادائگی فرائض میں کسر نہ چھوڑی۔

ہمارے ساتھ شمسی تعلقات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہیں صنوبر اپنی خدمت اور اطاعت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتی مگر شمس کے خیالات بدل گئے وہ اس کی اطاعت کا جواب نخوت سے محبت کا نفرت سے اور خدمت کا حقارت سے دینے لگا۔ نکاح کے بعد سسرال یا شمس کے گھر صنوبر ایک دن کو بھی نہ آئی اس لئے کہ بلائی ہی نہ گئی کیونکہ شمس کے والدین نے اس نکاح کو نہ نکاح تصور کیا نہ اس بہو کو بہو۔ شمس کے وعدے اور دعوے سراب و حباب تھے چند روز بعد نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ گھنٹوں، گھنٹوں سے دنوں، اور دنوں سے راتوں غائب ہونے لگا۔ صنوبر کی یہ ناکامی خلاف توقع نہ تھی اس کو یہ دھڑکا پہلے ہی سے اور یہ کھٹکا شروع ہی سے تھا لیکن اس کی شرافت نے اس کو کبھی مایوس نہ کیا وہ رات رات بھر اور دن دن بھر اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی۔ ایک لڑکی قمر جو شمس

کے ابتدائی دعووں کی یادگار تھی اس کی مونس و مددگار تھی اور باوجودیکہ میر منشی صاحب کے گھر میں اس کی وجہ سے ہر وقت چہل پہل تھی اور اس کے ساتھ نانا نانی بھی اس پر پروانہ تھے، دغا باز باپ اور دو شمن دادا دادی نے کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی اس کو نہ دیکھا۔ یہ شمس کی محبت کا وہ دورہ تھا کہ کبھی بھولے بسرے آٹھویں ساتویں گھڑی دو گھڑی آیا اور دنیا دکھانے کو اُلٹی سیدھی دو چار باتیں کر کرا سیدھا ہو لیا۔ صنوبر نے بارہا شمس کو اس کی لاپروائی پر متوجہ کیا مگر اس نے اس کان سنا اس کان اُڑا دیا لیکن شمس کا یہ انقلاب صنوبر کی حالت میں تغیر پیدا نہ کر سکا وہ اس کے انتظار میں صبح کا کھانا شام کو اور شام کا صبح کو کھاتی اور کوشش کرتی کہ اس کی حالتِ کرب کا پتہ ماں باپ کو نہ لگے مگر جو مرض اندر ہی اندر کھوکلا کر رہا تھا اس نے جان پر بنا دی۔ ہنستی جیتا ڈیل سوکھ کر کانٹا اور طباق سا چہرہ سپی رہ گیا۔ شمس اور اس کے ساتھ اس کے دوست آشنا جو اس کے تمول سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے تھے ہر وقت صنوبر کی کاٹ میں رہتے اور سب سے بڑی مصیبت ماں باپ کی ناخوشی تھی جنہوں نے اتنی اجازت بھی نہ دی کہ صنوبر کا ذکر تک گھر میں آجائے۔ شمس کا بیشتر حصہ آوارگی اور لغویت میں گذرتا۔ وہ بائسکوپ میں جاتا تھیٹر میں رہتا اور بازاری مشغلوں میں وقت گذار دیتا۔ لیکن اس کے قیمتی وقت میں بیوی اور لڑکی چند لمحہ بھی بارگراں تھے۔ دوستوں کی صلاح اور ماں باپ کے اشارہ سے اس نے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں سکونت اختیار کی۔ میر منشی علحدہ کیے گئے اور اس جنگل بیابان میں صنوبر اور اس کی بچی۔ ہکنے کو شمس کے ساتھ ورنہ تن تنہا رہنے لگے۔

اس وقت صنوبر کی بچی قمر تین ساڑھے تین برس کی تھی اور اس

غضب کی باتیں ڈھا رہی تھی کہ رستہ چلتے پیار کرتے وہ اسے زیادہ باپ سے انوس تھی۔ اور گو یہ سنگدل اس کو بعض دفعہ سختی سے جھڑک دیتا مگر بچی خدا جانے خون کا جوش تھا یا معصومیت کہ جہاں اس نے گھر میں قدم رکھا اور یہ ہنستی ہوئی پہونچی۔ کبھی ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کو پنکھا جھلتی اور کبھی چھوٹی چھوٹی انگلیوں سے بوٹ کے بند کھولنے لگتی لیکن اس محبت کا کوئی ذرہ بھی شمس پر کارگر نہ ہوتا۔ ایک روز شاید آدھے دن اور ساری رات کے بعد گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت قمر گھر میں داخل ہوا۔ صنوبر حسب عادت پیچھے کھڑی ہو کر پنکھا جھلنے لگی۔ قمر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر تہمد لائی مگر سنگدل باپ نے اس معصوم کے جذبۂ محبت کی مطلق قدر نہ کی اور تہمد اسی کے منہ پر کھینچ ماری اس کے ماں باپ نے بھی اور دوست احباب نے بھی یقین دلایا تھا کہ قمر کا وجود اس کے واسطے مصیبت ہے وہ جب چاہے صنوبر کو دھتکار سکتا ہے مگر بچی اس کے لئے سانپ کی چھچھوندر ہے۔ غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ بعض دفعہ شمس اس کی موت کے اسباب پر غور کرتا اور چاہتا کہ کسی طرح یہ بلا آسانی ٹل جائے اور میرے عیش میں جو کانٹا اس کا کھٹک رہا ہے وہ خاموشی سے نکل جائے۔

شام کا جھٹ پٹا وقت تھا۔ شمس بخار میں لوتھ پڑا تھا۔ صنوبر نماز مغرب ادا کر کے خدائے برتر کے حضور میں گڑگڑا گڑگڑا کر شوہر کی صحت کی دعائیں مانگ رہی تھی اور پیاری قمر اپنے نازک اور معصوم ہاتھوں سے باپ کے پاؤں دبا رہی تھی۔ وہ کبھی رومال سے اس کا پسینہ صاف کرتی تھی کبھی ہاتھ سے مکھی اڑاتی تھی اور کبھی ادھر اُدھر دیکھ کر کہ کوئی دیکھتا نہ ہو اس کو پیار بھی کر لیتی تھی۔ شمس کا ہاتھ پلنگ کی پٹی سے نیچے گرا ہوا تھا کہ

گھاس میں سے ایک سانپ نمودار ہوا اور قریب تھا کہ شمس کو چٹک لے کہ قمر کی نظر سانپ پر پڑی وہ سانپ اور اس کے زہر کو مطلق نہ سمجھ سکتی تھی مگر اتنا جانتی تھی کہ یہ میرے باپ کو کاٹ کر چکا دے گا اور اسکو تکلیف ہوگی۔ یہ سوچ کر پلنگ سے اُتری اور سانپ کا پھن پکڑ لیا۔

کالا سانپ بچی کے قبضہ میں کیا رہ سکتا تھا ایک ہی پھنکار میں نکل گیا اور غصہ میں بے قابو ہو کر دوسری ہی پھنکار میں قمر کو ڈس لیا۔ ماں کی نظر بچی پر اُس وقت پڑی جب سانپ کاٹ چکا تھا رو دی اور چلائی لیکن اس کی آواز سے شمس اٹھ بیٹھا مگر سانپ چلا گیا تھا۔

شیطنت حضور! میں نے دنیا میں مختلف اقسام کے انسان دیکھے مگر اس شخص کے واقعات جس قدر دردانگیز ہیں اسی قدر تعجب انگیز۔ مجھے صنوبر سے دلی عداوت تھی کیونکہ یہ ہمارے دشمن خدا کی عبادت اپنا فرض اولین سمجھتی تھی لیکن شمس کے مظالم اس قدر سنگین تھے کہ مجھے اُس بدبخت سے دلی ہمدردی پیدا ہو گئی۔"

شیطنت حضور! میری رائے میں کسی مذہب کی وہ توقع جو فطرت انسانی کے خلاف ہو یقیناً اس مذہب کی وقعت کو مجروح کر رہی ہے کس قدر ظالم ہوگا مسلمانوں کا وہ مولوی، وہ عالم یا وہ لیڈر جو اس موقع پر صنوبر کو صبر کی تلقین کرے گا اور چونکہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محال نہیں تو مشکل ضرور ہے بلکہ مجھے کہنا چاہیے اور میں کہتا ہوں کہ محال ہے ناممکن ہے اس لئے اپنے بھولے بھالے مخاطب کا دل پگھلانے کو اسے مذہب کے دائرہ میں گھسیٹ لیگا کیونکہ یہ ہی ایک شے ہے جو کام بنا سکتی ہے واسطہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور اپیل کارگر ہیں

اسے ملزم نہیں ٹھیرانا۔ اس غریب نے یہ ہی پڑھا ہے اور اس کے مطالعہ میں وہی جھوٹی سچی کتابیں رہی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور جن کا وجود ضرورت کے تحت میں ہوا اور جنھوں نے حدیث و قرآن کا فرضی جامہ پہن کر مسلمانوں کے ایمان کی صورت اختیار کی۔

گمر یہ ہی وہ لوگ ہیں جو ہماری کشتی کے ناخدا، ہماری کامیابی کا باعث اور ہماری زندگی کا سہارا ہیں علماء قریب قریب سب ہمارے ساتھ ہیں اور عامۃ المسلمین تو حق یہ ہے کہ ان کی بدولت ہمارا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

(چیرز ـــــ چیرز ـــــ چیرز)

وہ پہلا لمحہ جب صنوبر کی آنکھ ڈسی ہوئی بچی پر پڑی اتنا بیش قیمت تھا کہ کائنات کی کوئی شے اس کا معاوضہ نہیں کرسکتی اور وہ پہلی نظر جو شمس کی اس بے ہوش بچی پر پڑی جسکا دم واپسیں تھا دنیا کی ہر لعنت و ملامت سے بدتر تھی۔

اس مرغی کی طرح جو اپنے بچوں کو لئے کھلے میدان میں پھرتی ہے اور دفعتہ جب چیل جھپٹا مار کر ایک کو لیجاتی ہے تو اپنی پوری طاقت سے پرواز کرتی ہے کہ بچہ کو چھٹالے، اس دشمن کی مانند جو مدتوں کی کوشش اور تگ و دو کے بعد غالب ہو کر حریف کو خنجر سے زخمی کرتا ہے اور اس کے خون سے باغ باغ ہوتا ہے ان دونوں بیوی میاں صنوبر اور شمس نے قمر کو دیکھا۔ اماں کی ماری صنوبر جھپٹی اور بچی کو گود میں لیا سنگدل شمس یہ دیکھ کر کہ سانپ نے کام تمام کیا بجائے رنج و صدمے

کے اس خیال سے کہ پاپ کٹا، خوش ہوا۔ بچی کی موت پر باپ کی مسرت
تعجب انگیز و حیرت افزا یا مشکل و محال سہی اور ہماری شیطانی دنیا
شاید اس کا آسانی سے یقین نہ کر سکے لیکن انسانی دنیا میں زندہ باپوں کے
اعمال اور مردہ ماؤں کی قبریں اس کی شہادت دیں گی کہ ایک نفس کا
غلام مرد کس طرح اولاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ المختصر صنوبر کے
سینہ پر قیامت کا گھونسا لگا اور ممتا کی ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی
اس نے بچی کا سر ہاتھ پر لیا اور کروٹ میں دیکھا تو سانپ لہرا لہرا کر جا رہا
تھا۔ ایک مجبور و لاچار ماڈسی ہوئی لڑکی کو گود میں لئے بیٹھی ہے اور چاہتی ہے
کہ میری بچی کے جانی دشمن سانپ کا کوئی سر کچل دے۔ اس کی خاموش
آنکھیں یہ التجا لے کر شوہر کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں مگر ہونٹوں
کی مسکراہٹ دیکھ کر مایوس ہوتی ہیں۔ سانپ چلا جاتا ہے۔ قمر بیہوش
ہوتی ہے صنوبر گم سم اور شمس پسینہ پونچھتا ہوا نیچے آپڑتا ہے۔

میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ قمر اپنی معصومیت کا شکار ہوئی۔ اس کا
پاک جذبہ انسانی دنیا میں کس قدر وقعت کے قابل تھا معلوم ہو گیا۔ اس
نے صرف اس لئے کہ جانور کی وجہ سے بیمار باپ کی نیند نہ اچٹے سانپ
کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ عقل سلیم کے واسطے یہ تخیل نہایت جگر خراش ہے
مگر اس کا اثر اس باپ پر جس پر بھولی بھالی بچی قربان ہوئی یہ ہوا کہ ایک
خاموش مسکراہٹ اس کے منہ پر آئی اور مسرت کی ایک انتہائی لہر
اس کے چہرہ پر دوڑنے لگی۔ صنوبر اس موقع پر بھی میری ہزار نفرین
اور ملامت کی مستحق ہے کہ جب اس کا یہ ظالم شوہر پلنگ سے اٹھا تو اس خیال سے
کہ بیمار ہے کہیں گر نہ پڑے بچی اور کیسی بچی؟ سسکتی ہوئی بچی کو چھوڑ کر اس کے

سہارے کے واسطے کھڑی ہوئی یہ وہ وقت تھا کہ شمس کا بخار اُتر چکا تھا اور دل باغ باغ۔ اس نے بچی کی نبض دیکھی منہ سے کف جاری تھے اور اثر پوری طرح سرایت کر چکا تھا۔ موت نے کچھ زیادہ وقت نہ لیا شمس یہ ہی کہتا رہا کہ "بڑا زہریلا سانپ ہے یہ اسی گھاس میں رہتا ہے" اور قمر دُنیا سے رخصت ہوئی۔

شمس کے پاس اس کے نوکر حاضر تھے اور دو چار نہیں تو احباب میں سے بھی ایک آدہ موجود تھا واقعہ کے بعد اگر وہ فوراً ہی کوشش کرتا تو ڈاکٹر یا حکیم کا موقعہ پر آجانا ممکن تھا مگر قمر کی موت شمس کی دیرینہ آرزو تھی اور اسے پُورا یقین تھا کہ صنوبر کو پامال کر چکنے کے بعد اس کی نئی زندگی میں اگر کوئی کھٹکا ہے تو قمر کا۔ مجھکو مفصل داستان بیان کرنے کی ضرورت نہیں قمر کے بعد شمس نے صنوبر کے ساتھ کیا کیا وہ بھی میرے بیان سے باہر ہے۔ مجھکو صرف اتنا کہنا ہے کہ ایک معصوم بچی کی قربانی کا معاوضہ اس باپ کی درگاہ سے جس پر وہ نثار ہوئی، مسرت بے پایاں تھی اور صرف یہ ہی وہ فعل ہے جس کی وجہ سے میں اس شخص کو **تمغۂ شیطانی** کا پورا مستحق سمجھتا ہوں۔

مملکت بیجاپور کے مشہور قصبہ عرفان آباد میں آج بھی قمر کی قبر موجود ہے جس پر اس کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ باپ بخار میں بیہوش پڑا ہے سانپ اس کی طرف بڑھتا ہے اور ناسمجھ بچی اس موذی جانور سے باپ کو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کرتی ہے۔

شیطنت حضور! تمغہ اس تصویر کو مرحمت ہوتا کہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو اور ہم اس جنگ میں خدا کے رحم اور انسان کی انسانیت

پر غالب آسکیں۔"

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد دربار کا یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"لاریب! یہ شخص ہمارے انعام کا مستحق ہے مگر تمغۂ شیطانی اس قدر ارفع و اعلیٰ انعام ہے کہ اس کے واسطے اس سے بہتر خدمات کی ضرورت ہے۔"

پانچویں تصویر

دربار شیطانی کا فیصلہ سننے کے بعد وزیر جنگ کی تیوری پر کچھ بل سا آگیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

"شیطنت حضور! میں نے معاشرت اسلامی کے منتخب مکاروں کی تصویریں پیش کیں لیکن ان میں سے ایک بھی انعام کا مستحق نہ ٹھیری میں دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ ہماری حکومت کی بنیاد ان ہی بے ایمانوں کے اعمال و افعال پر قائم ہے۔ اگر سرکار اسی طرح ان کی خدمات سے اغماض فرمائیں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے مقاصد کی تکمیل مشکل ہو جائے گی۔ دشمن کی طاقت کمزور نہیں ہے اور صرف ہندوستان ہی میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں لاکھوں ایسے ہیں جو ہر وقت خدا کا نام جپتے ہیں اور ہزاروں ایسے بھی جن کی زبانیں بظاہر خاموش ہیں مگر ان کے دل خدا کی برتری کے معترف ہیں۔ ہم نے اگر اپنے انعام وسیع نہ کئے اور ان کے دل نہ بڑھائے تو یہ بد دل ہو کر ہماری مملکت کو خیرباد کہیں گے اور اس حکومت کی طرف رخ کریں گے جس کی فوقیت

کا سبق ان کو مذہب دے رہا ہے۔

بہرحال میں ایک اور تصویر پیش کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ اس سے بہتر انسان ہماری اُمت میں مشکل سے نکلیگا۔

یہ شخص مولوی بھی ہے، حاجی بھی ہے، حافظ بھی ہے، عالم بھی ہے۔ اس کا پورا نام شاید دو سطروں میں ختم ہوگا۔ احترام کا کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس کے نام کا جزو نہ ہو مگر حضور کی شیطانیت کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہم نے ان خطابات کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ اب کسی شخص کو مقدس کہہ دینا ہی اس کی بدمعاشی کا پورا ثبوت ہے۔ میں سرکار کے سامنے اصل مقصد سے دُور ہوکر ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں۔

موسم گرما کی چاندنی رات میں ایک شخص اپنے تربوز خربوزوں کی رکھوالی کر رہا تھا کہ اس نے دور سے ایک گردن اُبھری ہوئی دیکھی اور چیخ کر کہا "کون ہے" اتنا سُنتے ہی گردن دبک گئی مگر کچھ دیر بعد دوسری جگہ نمودار ہوئی تو اس نے بآواز بلند کہا "اجی حافظ صاحب" سر پھر غائب ہوگیا لیکن تھوڑی بعد اور جگہ اُبھرا۔ رکھوالا بھی تاک میں تھا۔ وہیں سے ڈانٹ کر کہا "اجی ملّا جی صاحب" پھر اسی طرح گردن غائب ہوئی اور دفعہ دیگر اور جگہ دکھائی دی تو اس نے چلّا کر کہا "اجی مولوی صاحب" پھر وہی صورت پیش آئی اور چوتھی دفعہ دکھائی دی تو اس نے آواز دی "اجی حاجی صاحب" اب وہ شخص یعنی چور سامنے آکھڑا ہوا اور محافظ سے کہنے لگا۔ "یہ تو بتاؤ کہ یہ تم کو کیونکر معلوم ہوگیا کہ میں حافظ بھی ہوں۔ ملّا بھی ہوں۔ مولوی بھی ہوں حاجی بھی" محافظ نے کہا "یہ کام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں دوسرا نہیں کرسکتا"

شیطنت حضور کا شکریہ کہ ہماری کوششوں نے ان القابوں اور خطابوں کی یہ وقعت تو کر دی اور اگر سرکار کا کرم رہا تو وہ وقت دور نہیں ہے جب مسلمان ان لوگوں سے ہزاروں کوس دور بھاگیں گے۔

تو یہ تصویر اس شخص کی ہے جو ہمہ صفت موصوف تھا۔ اپنی لیاقت اور قابلیت کی وجہ سے یہ مفتی کے عہدہ تک پہونچا یعنی سب جج مقرر ہو گیا ہیں اس کی بابت صرف اتنا کہہ کر اب دربار شیطانی کو ہندوستان کے مشہور شہر شاہجہاں آباد کے ایک نہایت ہی معزز خاندان کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ یہ وہ خاندان ہے جس کے اعزاز کا اعتراف سر سید مرحوم نے آثار الصنادید میں کیا ہے۔ اس خاندان کی لخت جگر قیصری جہاں بیگم جس کی قابلیت حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے واسطے قابل فخر تھی جب جوان ہوئی تو اس کی شادی دلی کے اس مشہور خاندان میں ہوئی جس کی طبابت ہندوستان سے باہر بھی فن کا ڈنکا بجا رہی ہے۔ میاں بیوی کچھ عرصہ تک خوش و خرم رہے اور اس کے بعد دیدے بدلے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہئے کہ ہمارے جان و ایمان کی دشمن قیصری نابکار نے شوہر کی بے اعتنائی پر انتہائی صبر کے جلوے دکھائے اور شوہر کے ظلم پر شکر کی گردن جھکائی یہاں تک کہ وہ جائداد جو اس عورت کو جہیز میں ملی تھی شوہر کے نام منتقل کر دی مگر جب وہ وقت آگیا کہ اس گھر میں دوسری عورت مالک کی حیثیت سے داخل ہو کر اس کو لونڈی بنائے تو قیصری چند روز کی اجازت لیکر میکے چلی آئی۔

ہیں چونکہ عالم الغیب نہیں ہوں اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ تحفظ آبرو، خدمت یا مصلحت حکیم صاحب کے سامنے کیا چیز تھی کہ وہ قیصری کے بلانے

پر مصر ہوئے مگر اس کی نسوانیت شوہر کی اس رائے سے متفق نہ ہو سکی۔ فریقین شہر کے معزز و متمول افراد تھے نوبت عدالت تک پہونچی اور ہندوستان کے قریب قریب تمام معزز وکیل اس مقدمہ میں شریک ہوئے۔ حکیم صاحب کا دعویٰ زوجیت کا تھا اور قیصری کا خلع کا۔ حکام مجازنے یہ سمجھکر کہ شرعی فیصلہ میں غلطی نہ ہو دونوں مقدمے ان بزرگ کے سپرد کئے جو سب کچھ تھے۔

خلع کی تائید میں ہر ممکن کوشش سے کام لیا گیا مگر ہمارے سب جج صاحب متوجہ نہ ہوئے۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح قیصری کے مستقبل کا فیصلہ کرتی تو اس کے باپ کی درخواست پر دلی کا وہ گنہگار جو حقوق نسواں کی حمایت میں کافر بن چکا ہے جج صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ "میں اور آپ زمانہ طالب علمی میں برسوں ساتھ رہے۔ مگر مفتی ہونے کے بعد میں نے آپ سے تعلقات قایم رکھنے ضروری نہ سمجھے۔ آج گیارہ سال بعد آپ سے گفتگو کر رہا ہوں اور بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ اگر قیصری کو آپ نے اس کے جایز حق سے محروم کیا اور وہ چیز جو اسلام نے مرحمت فرمائی آپ نے غصب کی تو نتیجہ کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

اس مفتی نے جو ہمارے ذخیرہ کا بیش بہا جوہر ہے مسکرا کر کہا۔

"مولانا! آپ کا فرمانا درست مگر اتنا تو سمجھئے آج اگر میں خلع کو جایز کر دوں تو ہندوستان میں آگ لگ جائیگی۔ عورتیں قبضہ میں نہ رہینگی۔ ہزاروں دعوے دایر ہوں گے اور مسلمانوں کا اطمینان بے اطمینانی سے بدل جائیگا۔"

اس زمانہ کا مشہور اخبار کرزن گزٹ تھا جو دلی سے شائع ہوتا تھا

دس بجے سے پہلے اس کی ایک غیر معمولی اشاعت نے قیصری کے ارتداد کا اعلان کیا اور مس فلپ کی تصدیق ارتداد نے جج صاحب کی اس زبان کو جو زوجیت کی ڈگری کرنے والی تھی خاموش کر دیا۔

ارتداد فرضی تھا چند روز بعد قیصری کی شادی ایک نہایت مشہور علمی شخص سے ہوئی۔ آج قیصری، حکیم، جج، سب قبروں میں ہیں مگر قیصری کا بڑا لڑکا جو بی اے ایل ایل بی ہے اس دُکھی کو دُعائیں دیتا ہے کیونکہ اس کے آنسو کسی طرح بھی ماں کے دھبے کو نہیں دھو سکتے۔

شیطنت حضور اس شخص نے ارتداد کی بُنیاد رکھی۔ خلع کے سلسلہ میں جس قدر ارتداد ہو رہے ہیں ان کا سہرا اسی کے سر ہے اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تمغۂ شیطانی اس شخص کو مرحمت ہو۔

حسب دستور سناٹا تھا آنکہ دربار کے ان الفاظ نے خموشی کو توڑا۔

"ہاں ٹھیک ہے اور یہ شخص ہمارے کرم کا یقینی مستحق ہے مگر تمغۂ شیطانی کے واسطے اس سے افضل خدمات کی ضرورت ہے۔"

چھٹی تصویر

وزیر جنگ کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا اراکین دربار پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا کہ اس نے اپنا سر اُٹھایا اور عرض کیا۔

"شیطنت حضور گذشتہ صدی میں بھی تمغہ کی تقسیم نے اسی قسم کی پیچیدگیاں اختیار کی تھیں۔ یہ صدی صرف مسلمانوں کے واسطے مخصوص کی گئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر ترقی اس قوم نے ہماری سرگردگی میں کی اس کی نظیر دوسری قوموں میں مشکل سے ملیگی گران بیچاروں کی بدبختی ہے کہ کیسے کیسے

عدیم المثال افراد حضور کے کرم سے محروم رہے۔ اب میں ایک ایسی مسلمان عورت کی تصویر پیش کرتا ہوں جو میری رائے میں سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ کامیاب ہستی یقیناً تمغہ حاصل کرے گی مگر اس کے حالات شروع کرنے سے قبل میں اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ترقی کا اندازہ حالت کے اعتبار سے کیجئے۔ یہ وہ قوم ہے کہ دور اول میں دنیا کی ممتاز قوم تھی اور اپنے کارناموں سے ایک جہان کو مسخر کر رہی تھی اس کا عالم نسواں آج بھی صفحات کی تاریخ میں چاند کی طرح روشن ہے۔ عائشہ۔ فاطمہ رابعہ۔ خدیجہ۔ خولہ۔ آغوش اسلام سے ایسی بیبیاں پیدا ہوئیں کہ کارزار حیات نے ان کے قدم چومے۔ یہ علم و فضل میں، اخلاق و عادات میں، اقوال و افعال میں، انسانیت کے بہترین نمونے تھے۔ میدان جنگ نے ان کی نسوانیت کے ڈنکوں پر سر دھنے ہیں اور دشمن کے ہتھیاروں نے ان کی شجاعت کو سجدہ کیا ہے۔ یہ اس وقت کی عورت ہے اور اشد ضرورت ہے کہ فیصلہ کے وقت شیطنت حضور اس کا مقابلہ قرن اولی کی عورت سے کریں۔

یہ لکھنؤ کے خاندان شاہی کی مشہور بیگم نواب قمر زمانی ہیں انکی عمر اسّی سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ انگریزی حکومت کی وجہ سے ان کو کمشنر اور کلکٹر کی میموں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا ہے مگر بچپن کی عادات و خصائل قوم کے ساتھ ہیں۔ عدم تعاون کے زمانہ میں گورنر صاحب کی میم نے زنانہ دربار منعقد کیا اور نواب قمر زمانی مجلس استقبالیہ کی صدر ہوئیں ۱۴ / نومبر کے دن، چار بجے کا وقت مقرر تھا ۱۳ / تاریخ کی شام کا ذکر ہے:۔

بیگم صاحب:۔ اری سوسن اور گلشن چنبیلی موتیا! ارے سب مر گئے؟

اری درو غن ادھر تو آ۔ کمبختوں مہینہ مہینہ بھر سے پیٹ رہی تھی کہ چودہ کو جلسہ میں جاؤں گی آج کونسی تاریخ ہے؟"

موتیا:" بیگم صاحب ہم کو تاریخ کی کیا خبر۔ ہم کسی کی سالگرہ تھوڑی کر رہے رہیں"

بیگم صاحب:" دُر نامراد۔ تو یوں ہی اُلٹے سیدھے جواب دیا کرتی ہے اری لاٹ صاحب کے ہاں جلسہ ہے دارو غہ جی کو بلا کر تاریخ پوچھ۔"

سوسن:" بیگم صاحب وہ تو نماز کو گئے اس وقت کہاں!"

بیگم صاحب:" کمبخت یہ کونسی نماز کا وقت ہے؟"

سوسن:" سرکار وہ تو دو گھڑی دن رہے سے مسجد میں چلے جاتے ہیں اور اشاں کے بعد آتے ہیں"

بیگم صاحب:" تو چڑیل کسی اور کو بلا کر تاریخ تو پوچھ۔ جا۔ مرزا کو لا"

مرزا جی:" حکم سرکار!"

بیگم صاحب۔ مرزا! او مرزا! ارے مرزا!"

موتیا! شاید چلے گئے!"

بیگم صاحب:" اِتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا پلپلا ہو جائے گا۔ مردار بات کرنے کو بلایا تھا یا منہ چھواتے کو" چلے گئے"! بلا مردود کو۔"

مرزا:" جی حضت"

بیگم صاحب۔ حضت کے بچے۔ کہاں چلا گیا تھا۔ آج کونسی تاریخ ہے؟

مرزا! سرکار ذرا بڑے استنجے کو چلا گیا تھا۔"

بیگم:" ارے آج کیا تاریخ ہے۔"

مرزا!" تاریخ؟"

بیگم صاحب "۔ کہہ تو رہی ہوں تاریخ! تاریخ!"

مرزا "۔ سرکار تاریخ ؟"

بیگم صاحب "۔ اب کیا قرآن اُٹھاؤں؟ ملعون؟"

مرزا "۔ اچھا مگر بیگم صاحب آج دن کیا ہے؟"

بیگم صاحب "۔ لاحول ولا قوۃ"

موتیا "۔ آج منگل ہے"

سوسن "۔ اری منگل کہاں ہے آج دھوبی کپڑے کہاں لایا"

بیگم صاحب "۔ تم سب کو خدا کی مار۔ تاریخ کا پتہ نہیں"

چنبیلی "۔ سرکار سالن میں ترکاری کیا پڑے گی"

بیگم صاحب "۔ اری نکھرامون! تاریخ پوچھ رہی ہوں تم اپنی بک بک کر رہی ہو"

سوسن "۔ تاریخ ؟"

بیگم صاحب "۔ ہاں چڑیل ہاں"

سوسن "۔ سرکار خدا پاک کی قسم ہم کو تو خبر نہیں"

بیگم صاحب "۔ ارے مرزا تاریخ بتائی ؟"

مرزا "۔ لیجئے وہ خالو رجب آگئے ان کو خبر ہوگی"

بیگم صاحب "۔ ارے رجب!"

رجب "۔ غریب پرور"

بیگم صاحب "۔ آج کیا تاریخ ہے"

رجب "۔ یوں سمجھئے سرکار رجب کی چوتھی اور رمضان کا پہلا روزہ ایک دن ہوتا ہے عید جمعہ کی ہوئی تھی تو جمعہ جمعہ آٹھ اور جمعہ جمعہ پندرہ اور جمعہ جمعہ بائیس ہفتہ تیئیس اتوار چوبیس پیر پچیس منگل چھبیس اب اگر آج منگل ہے

تو چھپیں اور بدھ ہے تو ستائیس"۔

بیگم صاحبہ "ہشت پاگل۔ ارے چاند کی نہیں انگریزی"۔

رجب "بھلا سرکار مجھے انگریزی کی کیا خبر!"

بیگم صاحبہ۔ جا باہر سیٹھ جی کی دوکان پر پوچھ اور دن بھی پوچھ کہ آج کیا دن ہے"۔

رجب "سرکار! آپ کو ایسا کام کیا ہے"؟

بیگم صاحب "ارے بے ایمانوں مجھے جلسہ میں جانا ہے میں ہی تو صدر ہوں"۔

سوسن "اے ہے بیگم صاحب تو آج آپ کیوں خدا نہ کرے شمر ہونے لگیں وہ تو محرم میں نکلتا ہے"۔

رجب "سرکار پوچھ آیا وہ جلسہ تو آج ہو چکا"۔

بیگم صاحب "بے ایمانوں اپنی اپنی ہانک رہے ہو تاریخ کا پتہ نہ چلا"؟

رجب "چلا کیوں نہیں"۔

بیگم صاحب "کون سی ہے"؟

رجب "چاند کی بیس"۔

بیگم صاحب "لعنت خدا کی کمبخت انگریزی ہو"

رجب "سیٹھ جی کہتے ہیں ٹھیک تاریخ تو ڈاک خانہ سے معلوم ہو گی آج یا تیرہ ہے یا چودہ مگر جلسہ ہو چکا"۔

سوسن "سرکار یہ دیکھئے آتشبازی چھوٹ رہی ہے جلسہ آج ہی تھا ہو چکا"۔

موتیا "اندھی یہ آتشبازی ہے یا تارا ٹوٹا ہے"۔

داروغہ جی "سرکار آج ہوا ہے اور لاٹ صاحب کے یہاں ناچ جلسہ کل ہے"

بیگم صاحب " خوب معلوم ہے ؟ "

دارو غہ " جی ہاں سو بسوے تو آج ہوا ہے "

بیگم صاحب " چلو ری ادھر آؤ۔ داروغن اکخواب کے بڑے پائچوں کا پائجامہ اس پر دیکھو پمپک ہے یا نہیں لمبی کوٹھری کے بڑے صندوق میں ہے اور ہاں وہ کارچوبی دولائی ذرا دونو لاکر دکھاؤ "

سوسن " سرکار اس پاجامہ پر تو وہ فیروزی کرتہ کھلتا "

بیگم صاحب " کونسا ؟ "

سوسن " وہ جو کھو یا گیا "

بیگم صاحب " خیر تم یہ تو لاؤ "

" اری کمبختو گھنٹہ بھر ہوگیا لاؤ تا ؟ "

سوسن " سرکار ! کنجیاں نہیں ملتیں "

بیگم صاحب " داروغن ! کنجیاں کہاں ہیں ؟ "

داروغن " بھلا سرکار میں اتنی دیر لگاتی ؟ اگر میرے پاس ہوتیں ! آپ نے موتیا کو دی تھیں "

موتیا " اری بی کس کو دی تھیں ؟ "

داروغن " تجھکو "

موتیا " جھوٹے پر خدا کی مار "

داروغن " خدا کی مار تجھ پر تیری سات پشت پر "

موتیا " اور تیرے رہتے سہتوں پر "

بیگم صاحب " اری چڑیلوں لڑکیوں رہی ہو ؟ اسی واسطے میں کہیں آنے جانے کا نام نہیں لیتی کہ میں نے جانے کو کہا اور تم پر بجلی گری۔ جاری سوسن

کنجیاں ڈھونڈھ کر لا۔"

سوسن۔ "سرکار کنجیاں تو گلشن کے پاس ہونگی۔"

بیگم صاحب۔ "کیا نامراد چھوکریاں ہیں اری تو کمبخت بلاتی کیوں نہیں۔"

سوسن۔ "سرکار وہ توپا خانہ میں ہے افیم کھالی ہے صبح کو نکلے گی۔"

بیگم صاحب۔ "تم سب کو خدا کی مار۔ جا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لا صبح کو کیسے نکلیگی۔"

گلشن۔ "بھلا بیگم صاحب اس مردار کو دیکھئے مجھے یوں ہی گھسیٹ لائی۔ مجھے کنجیوں کی کیا خبر میرے فرشتوں نے بھی نہیں دیکھیں۔"

بیگم صاحب۔ "اری تو نامرادوں چڑیلوں کنجیاں گئیں کہاں۔"

موتیا۔ "سرکار ہم نے جو آنکھ سے دیکھی ہوں تو الٰہی آنکھیں پھوٹ جائیں۔"

بیگم صاحب۔ اچھا تو قفل تڑواؤ۔ داروغہ۔"

موتیا۔ "وہ تو سوگئے۔"

بیگم صاحب۔ "جگا چڑیل "سوگئے سوگئے" جا جلدی جگا۔"

موتیا۔ "بہت اچھا مگر بیگم صاحب سوتے کو جگانا تو منع ہے سنا ہے گناہ ہوتا ہے۔"

بیگم صاحب۔ "موئی چڑیل اجوتی خوری اڑی مولوی کی بچی بنی ہے جا ابھی جاکر جگا۔"

سوسن۔ "وہ تو خراٹے لے رہے ہیں۔"

بیگم صاحب۔ اری خراٹے۔ خراٹے "پیٹ رہی ہو جگا کر لاؤ۔"

داروغہ۔ "جی سرکار۔"

بیگم صاحب۔ "داروغہ جاؤ یہ قفل تڑوا کر لاؤ۔"

داروغہ۔ "بھلا سرکار لگا ہوا قفل کیونکر لے جاؤں۔"

بیگم صاحب "ہار کو لاؤ"

داروغہ "اس وقت؟"

بیگم صاحب "ہاں"

داروغہ "بارہ بجے ہیں کرن سے ہار کی دوکان کھلی ہوگی"

بیگم صاحب "تم نمک حرام ہو اچھا تم اندر آؤ بٹوں اور پتھروں سے توڑ دو"

داروغہ "بہت اچھا"

داروغہ "اور سرکار اندر کا صندوق کیونکر ٹوٹے گا؟"

بیگم صاحب "خدا ہی کی مار پڑے گی تم سب پر"

رات بھر بیگم صاحبہ اور لونڈیاں کام کرتے رہے۔ داروغہ بھی ساتھ تھے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ کنجیاں ملیں نہ قفل ٹوٹے۔ البتہ متواتر کئی گھنٹوں کی کوشش کا یہ پھل ضرور ملا کہ دو سروتوں کی ڈنڈیاں ٹوٹیں۔ ایک قینچی کا پھلرا ٹوٹا اور ایک دست پناہ گیا گذرا ہوا۔ صبح ہوئی تو پھر وہی مصیبت شروع ہوئی اب بیگم صاحب نے خضاب کی تیاری شروع کی۔ گلشن اور سوسن نے مہندی اور وسمہ تیار کیا۔ چھوٹے داروغہ ڈھاک کے پتوں کو گئے۔ مہندی لگ چکی تو سر دھونے کا وقت آیا۔ پانی ٹھنڈا تھا آدھ گھنٹہ سے زیادہ اس پر جھک جھک ہوئی۔ پتوں کی ضرورت ہوئی تو معلوم ہوا کہ داروغہ جی صبح کے گئے ہوئے ہیں اور یہ کہہ گئے ہیں "کھانا کھا کر پتے لیتا ہوا آؤں گا۔" بیگم صاحب پیچ پیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ قصہ کوتاہ جب تیار ہوئیں تو چار بج چکے تھے اور جب جلسہ میں پہنچیں تو بیبیاں رخصت ہو رہی تھیں مگر نذر صاحب کی بیوی نے چلتے ہوئے کچھ لوگوں سے تعارف کرایا۔ انگریزی عورتیں ان کا حلیہ ان کا لباس ان کی وضع قطع دیکھ کر بہت ہنسیں۔ بڑے پائنچوں کا پاجامہ جس کو پیچھے سے دو لونڈیاں

پکڑے ہوئے تھیں سب کے واسطے پُرلطف تھا اس پر لطف مزید یہ تھا کہ ہر قدم پر لونڈیاں بسم اللہ کی صدائیں لگا رہی تھیں صاحب خانہ نے تفریح کے بہت سے سامان کئے تھے ان میں ریچھ کا تماشا مہمانوں نے بہت زیادہ پسند کیا۔ مگر بیگم صاحب کی ہیئت کذائی ریچھ والے سے بھی زیادہ مزیدار تھی اس لئے بعض بیبیں صرف ان ہی کے واسطے ٹھہر گئیں۔ ان میں ایک مس ڈاکٹرنی بھی تھی، وہ اس قدر محظوظ ہوئی کہ سب کو چھوڑ چھاڑ ان ہی کے پاس آ بیٹھی اور کہنے لگی۔

مس:۔ "آپ کی عمر کیا ہے؟"

بیگم صاحب:۔ "یہ ہی کوئی پچاس برس کی ہوگی۔"

مس:۔ "بیگم صاحب پچاس سے زیادہ تو میری عمر ہے۔"

بیگم صاحب۔ "ہاں تو تم کو نزلہ کہاں ہے ڈاکٹرنی ہو، چاہے دن بھر جوشاندے پیتی رہو۔"

مس:۔ "تو کیا نزلہ نے دانت بال آنکھیں بگاڑ دیں یا کمر بھی جھکا دی اور جھریاں بھی ڈال دیں؟"

بیگم صاحب:۔ "تم ڈاکٹر کیسی ہو نزلہ تو آدمی کی جان لیتا ہے کمر اور جھریاں کیا ہیں؟"

مس صاحب:۔ "آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرتیں۔"

بیگم صاحب:۔ "ایک علاج کیا عمر اسی میں گذری!"

مس صاحب:۔ "کیا دوا پی؟"

بیگم صاحب۔ "رہنے دو، حکیموں کا بھی کیا، ڈاکٹروں کا بھی کیا، اوپری بھی کیا۔"

مس صاحب:۔ "اوپری کیا؟"

بیگم صاحب "خالو شیتن کا گنڈا یہ دیکھو کمر پر بندھا ہے پیر جی محمود کے فلیتے روز جلاتی ہوں۔ مولوی رحمت کی طشتریاں دونوں وقت پی رہی ہوں"

مس صاحب "آپ ذرا گنڈا کھولکر دکھا سکتی ہیں؟"

بیگم صاحب "واہ اول تو کھول ہی نہیں سکتی اور پھر تم کافر ہو ہاتھ لگنے سے تاثیر جاتی رہے گی سوا پانچ روپیہ اور ایک بکرا دیکر بدلوانا پڑے گا۔"

مس صاحب کے ساتھ بہت سی بہنوں نے قہقہے لگائے اور دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ایک اور لطیفہ یہ ہوا کہ جب بیگم صاحب کے سامنے چار آئی تو انہوں نے سیب کھانے سے انکار کر دیا۔

مس صاحب "سیب کھائیے۔"

بیگم صاحب "مجھے تو سیب چھوڑے اٹھارہ برس ہو گئے۔ اوپر کے کمرہ میں سید صاحب رہتے ہیں تین برس برابر محل سرا میں پتھر آئے آخر ایک حاجی صاحب اتفاق سے آ گئے! انہوں نے علاج کیا اور بتایا کہ ایک پھل جو بہت بھاتا ہو عمر بھر کے لئے چھوڑ دو۔ میں سیب کی عاشق تھی چھوڑ دیا اب آٹھویں دن جمعرات کی جمعرات ان کا چڑھاوا چڑھا دیتی ہوں تو امن میں ہوں۔"

شیطنت حضور! یہ مشرک عورت۔ اس قوم کی عورت ہے جس کا سر خدا کے سوا کسی طاقت کے سامنے نہ جھکا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان کا ہر گناہ قابل معافی ہے مگر شرک معاف نہ ہو گا۔ اب اس سے زیادہ مشرک ہماری اُمّت میں کون ہو گا جو ایک معمولی تخیل کی یہ سمجھکر کہ سید صاحب ہی خدا ہیں پرستش کر رہی ہے۔ میں بصد ادب سفارش کرتا ہوں کہ یہ عورت تمغہ کی بہترین مستحق ہے تاکہ شرک کی پوری طرح تلقین ہو سکے۔"

دربار میں کچھ دیر سناٹا رہا اس کے بعد یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"بیشک یہ بھی ہمارے کرم کی مستحق ہے اور ہم اس سے خوش ہیں مگر تمغۂ شیطانی کا حق اس نے پیدا نہیں کیا اس کے واسطے اور بھی ارفع و اعلیٰ خدمات کی ضرورت ہے۔"

آج کا فیصلہ اس قدر اہم اور دلچسپ تھا کہ شر کا دور دور سے آئے، پنڈال وسیع کیا گیا اور استقبال کی تیاریاں دنوں پہلے سے شروع ہوئیں۔ دُنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جہاں کا نمائندہ اس جلسہ میں موجود نہ ہو شیطانی جنت آراستہ و پیراستہ اپنے تماشے دکھا رہی تھی اور داروغہ آواز بلند نعرے لگا رہا تھا کہ آج اِذنِ عام ہے۔ زندہ انسان بلا روک ٹوک سیر کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری ذُریات بعد الموت کیسے انعام و اکرام سے مالا مال ہو رہی ہے۔ خوش الحان پرندوں کے زمزمے ٹھنڈے پانی کے فوارے "اقبالِ شیطانی" کے گیت گا رہے تھے۔ حوروں کا دستہ ہوا میں رقص کر رہا تھا۔ شراب رواں کی لہریں آنکھوں کو مخمور کر رہی تھیں۔ یاسمین تالیاں بجا رہی تھی اور گلاب کی موسیقی نے ہر ذرّے میں کیفیت وجد پیدا کر دی تھی۔ غلمان پرّے باندھے مصروف گلگشت تھے۔ دودھ کی نہریں جاری تھیں۔ سرسبز گھاس، بارآور درخت، شاداب پھول اور خوش نوا طائر، شیطانی سجدوں میں منہمک تھے اور جو شخص اندر داخل ہوتا تھا کلمۂ عزازیلی زبان پر لے آتا تھا۔

جنت کی چار دیواری نے سینکڑوں میل زمین گھیر رکھی تھی اور ہر چہار طرف حسین پریاں ہنس ہنس کر ترانے گا رہی تھیں۔

صنعت خداوندی کا بہترین نمونہ آفتاب آسمانی مداری کی حیثیت میں جب دن بھر قلابازیاں کھا کر فنا کے قریب پہونچا تو مغربی بادل خونی لباس میں نوحہ خوانی کو آگے بڑھے اور روز روشن کی جان کنی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے ایک مختصر گروہ نے جو اس جلسہ کی سیر دیکھنے آیا تھا صدائے حق بلند کر کے معبود حقیقی کی وحدانیت کا ڈنکا بجایا۔ شیطانی جنت نے ان اللہ والوں کے رکوع و سجود پر قہقہے لگائے مادرزاد حوریں نمازیوں کے سامنے آئیں۔ دلکش تانیں کانوں میں پہونچیں زر و جواہر کی جھنکار نے دل گدگدائے اور فردوس عزازیلی کی ٹھنڈی ہواؤں نے دماغ معطر کر دیئے۔

فطرت انسانی کل کو آج پر مستقبل کو حال پر یا قرض کو نقد پر ترجیح دینے میں عاقبت اندیشی کی محتاج ہے۔ خدائی جنت کے وعدے جو اعمال پر مشروط تھے شیطانی جنت کے سامنے جو نگاہ کے سامنے جلوہ گر تھی کچھ زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوئے۔ شیطانی لشکر انسانی نفس کی ہر خواہش کی تکمیل کے اسباب فراہم کر رہا تھا اور خدائی احکام زندگی کے ہر لطف کو موت پر منحصر کر رہے تھے رستے کے تھکے ہارے مسافر کو جس کی پپڑیاں بندھی ہوئی ہوں یہ کہکر پانی سے جدا کرنا کہ زہر آلود ہے اور منزل مقصود پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں یہ مشکل ممکن ہے کوشش شیطانی قلوب انسانی پر غالب آتی گئی کہ وہ چند سپاہی جو دلدادہ حقیقت تھے ان پورشوں کی تاب نہ لا سکے عبادت چھوڑ دی اور سریلی صداؤں میں مست ہو گئے جن کی زبانیں لاحول پڑھتی ہوئی آئی تھیں ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ امام کی غلطی بڑی حد تک اس انحراف کی ذمہ دار ہوگی جس کے سامنے دوزخ کے غضبناک عذاب کے سوا کچھ نہ تھا اور جو مقتدیوں کے سامنے ستر کا پہاڑ پڑھ رہا تھا۔ وقت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ حالات کی ضرورت

دوسری تھی۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کے تیور بگڑ گئے اور میرا دماغ حیات انسانی کا فلسفہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ قدرت کا نظام اپنا عمل کر رہا ہے اور زندگی کے اجزا اپنا جوہر دکھا رہے ہیں۔ لیکن اس بدبخت کو اپنا کام کرنا تھا اور وہ یہ کہ بلا سوچے اور بے سمجھے قرآن و حدیث کو بیچ میں لاکر بدنام کرتے اگر اس کی نیت صحیح بھی تھی تو یہ نادان وجہ ہوا سبب ہوا باعث ہوا انحراف کا اسقاط کا ارتداد کا۔

چشم زدن میں مصلّے پر ملاجی ہی ملاجی رہ گئے اور مقتدی بجائے شیطان کے امام جی پر لاحول پڑھتے ہوئے رفوچکر ہوئے۔ عزازیل جنت ان کے واسطے آغوش کھولے تیار تھی۔ حوروں کے پرے دست بستہ استقبال کو سامنے آئے سر پر لیا۔ آنکھوں پر بٹھایا۔ امام صاحب کے دل کی کیفیت جو کچھ ہو زبان پر عربی کے کچھ الفاظ تھے مگر آنکھیں جنت کے تماشہ میں سرگرم تھیں جنت لبیک کہتی ہوئی نمازیوں کی تعظیم کو آگے بڑھی۔ حور و غلمان قدموں میں گرے کوشش ملاجی نے بھی کی کہ وعظ کے بہانہ سے اندر داخل ہوکر سیر دیکھیں مگر جنت نے دھتکار دیا اور غریب اپنا سا منہ لیکر خاموش ہوگیا۔

دروازہ جنت بند نہ تھے مگر غلمان پہرہ دار امام صاحب کو گھسنے نہ دیتا تھا۔ ایک شیطانی حور جو اپنے فرائض ادا کرنے میں مکمل تھی مسکراتی ہوئی امام صاحب کے قریب پہونچی۔

امام صاحب کی عمر ستر سال سے کچھ زیادہ ہی تھی سر منڈا ہوا۔ لبیں کتری ہوئی۔ تہ بند باندھے ہوئے، سبز عمامہ سر پر، لال تسبیح ہاتھ میں۔ بدصورت بدوضع۔ بدقطع۔ کریہ الصورت مکروہ اللہجہ۔ بدتمیز۔ یہاں تک مضائقہ نہ تھا مگر مصیبت یہ تھی کہ آواز کو بلبل، صورت کو لاجواب اور اعمال کو بےنظیر سمجھتا تھا اس مصیبت پر قیامت، کوڑھ میں کھاج، یا کریلے پر نیم، یہ تھا کہ عقل سے کورا،

سمجھ سے خالی اور دانش سے محروم۔ حور کے قدم اپنی طرف دیکھ کر سمجھا کہ میری صورت کام کر گئی جلدی سے پیٹھ موڑ جیب میں سے سرمہ دانی اور سلائی نکال سرمہ لگایا۔ کنگھا نکال ڈاڑھی درست کی۔ اب حور پاس آگئی تھی پانوں کی ڈبیہ اور گوٹے کا ٹھوا کرتہ میں سے نکال باچھ چیر کر کھایا۔ منہ موڑا تو حور برابر میں جھکی کھڑی تھی۔ اس جھکنے کو سلام سے تعبیر فرما کر اس زور سے

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

کا نعرہ لگایا کہ عزازیل جنت کے پرند جو نغمہ خوانی میں مصروف تھے اور جن کی دلکش صدائیں دلوں کے پار ہو رہی تھیں اس طرح اُڑے جس طرح کبوتر باز کی کو سے کبوتر سیدھے ہو لیتے ہیں۔ حور سمجھ گئی کہ اُلو کا پٹھا ہے۔ اس لئے اُلو بناتے میں دیر نہ لگنے لگی۔ مصافحہ کو ہاتھ بڑھا دئے امام جی کے دل نے گواہی دی کہ ڈاڑھی کا نور اور سرمہ کا سرور حور کے دل میں جاگزیں ہوا۔ اپنا ہاتھ بھی نکالا کہ مصافحہ کروں، طبیعت باغ باغ، دل چونچال اور خود نہال نہال تھے۔ مگر امامت کے خیال سے تیوری پر بل لے آئے۔ رکتے رکتے تمرتے مرتے آہستہ آہستہ ادھر اُدھر دیکھ کر ہاتھ آگے کر رہے تھے کہ غلمان پہرہ دار نے زور سے چھینک لی اس کے چھینکتے ہی ہاتھ رُک گیا دماغ نے فوراً یاری دی کہ مصافحہ اور معانقہ مسنون ہے مگر حدیث پوری یاد نہ تھی غلمان اور حور دونوں پر دھونس بٹھانے کو جو یاد تھا وہ پڑھ ڈالا اور کنکھیوں سے غلمان کو دیکھتے ہوئے یہ کہکر ہاتھ بڑھایا کہ "مصافحہ تو سنت ہے"

اب یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ شیطانی کرتب تھا یا حور کے ہاتھ میں سریش، مصافحہ کرتے ہی امام صاحب کا ہاتھ چپک گیا جھٹکوں پر جھٹکے دے رہے ہیں دانت پیس رہے ہیں۔ ڈاڑھی پھڑپھڑا رہے ہیں مگر ہاتھ کسی طرح نہیں چھٹتا

لاحول پڑھی اور چیخ چیخ کر۔ مگر ہاتھ کیا چھٹنے والا تھا ایسا چپکا اور ایسا جڑا کہ دونوں مل کر ایک ہو گئے۔ حور جنت کی طرف بڑھی تو امام جی پلٹے چلے آرہے ہیں مگر یہ بھی ٹیڑھی نظروں سے ایک دفعہ حور کو اور ایک دفعہ غلمان کو بھانپ بیٹھے ہیں۔ حور جنت میں داخل ہوئی تو امام جی نے دوسرے ہاتھ سے کھٹا کھٹ تسبیح شروع کر دی۔ غلماں پہرہ دار نے فوجی قاعدہ سے سلامی دی۔ سوچ رہے تھے کہ اب کیا جواب دوں کہ چاروں طرف سے غلمان سلامی اُتارنے لگے۔ امام جی کا ہاتھ حور کے ہاتھ میں جڑا ہوا ہے اور غلمان بیچ میں گھیرے ہوئے فوجی سلامی اُتار رہے ہیں۔ بیچارے اِدھر اُدھر بھی دیکھتے ہیں اور حور کو دیکھ کر بھی ایک آدھ ٹھنڈا سانس بھر لیتے ہیں۔ گرویدہ تو ہو ہی چکے تھے مگر کچھ تھوڑا سا لحاظ تقدس کا بھی تھا۔ دل سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہا تھا مگر زبان لاحول ولاقوۃ لاحول ولاقوۃ فرما دیتی تھی۔ حور نے امام صاحب کا رنگ پہچان اشارہ کیا تو آدمی نہ آدم زاد فقط دونوں جڑے ہوئے، شراب کی نہر سامنے تھی حور نے نیچی نگاہ سے کہا:

"حضور کا بڑھاپا نوجوانوں کو مات کر رہا ہے میں نے حضرت یوسف کو بھی دیکھا ہے مگر جو بات سرکار میں ہے وہ بات کہاں؟ یہ سرخ و سپید رنگ، تو دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور پھر عادات و خصائل نور علیٰ نور آواز تو امام صاحب حضور کی جادو ہے جادو"

امام صاحب اتنا سنتے ہی کُپّا ہو گئے اور اپنی انتہائی کرخت آواز میں قرأۃ سے سورۂ رحمٰن شروع کر دی۔ حور نے رو رو کر امام صاحب کی خوش الحانی کی داد دی۔

حور: "آج حضور کے اعمال کی جزا مل رہی ہے"

امام: "جزا! تو کیا میں مر چکا؟"

حور: "جی ہاں میں حضور کے نکاح میں آئی اور یہ جنت ہے۔"

امام: "اے میرا تمام اثاثہ کس نے لیا؟ ہائے میری بدنی اور ہائے ہائے میری مسواک اور ہائے ہائے میرا چاقو! ارے دھوبی کے ہاں کپڑے بھی تو دو جوڑے ہیں اور چار کو دو آنہ سائی کے دیے تھے وہ بھی گئے ملاجی پر سات پیسے ہیں وہ بھی ڈوبے۔"

حور: "یہاں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ شہد پیجئے دودھ پیجئے شراب پیجئے۔"

امام صاحب کو اپنی زندگی کا پورا یقین تھا اور واقعات بھی روبرو تھے مگر مصلحتاً ہاں میں ہاں ملا رہے تھے اور اس خیال سے کہ حور فریفتہ ہے باغ باغ تھے۔ کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ حور نے شراب کا پیالہ پیش کیا۔ امام صاحب نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا تو سناٹا تھا۔ یہ کہہ کر غٹ غٹ پی گئے۔

"جزائے اعمال جزائے اعمال۔"

امام صاحب کی آنکھیں شراب سے کھل گئیں اور فرمانے لگے "کیسی کیسی نعمتیں بنائی ہیں خدا نے۔"

حور: "خدا کیسا۔"

امام: "خدا... خودا....... خودا...... خدا تو تم ہی ہو۔"

امام صاحب نے اب حور کے جڑے ہوئے ہاتھ پر سر رکھ دیا اور یہ ہی فرماتے رہے "خودا خودا....."

حور: "میری اجازت کا وقت قریب آ گیا اب میں تم سے جدا ہوتی ہوں۔"

امام: "ہائے غضب! ہائے غضب! ارے غضب! ارے غضب! (قدموں میں سر رکھ کر) حور! حور! اے بی حور! ارے بی حور!"

حور نے جھٹکا دے ہاتھ چھڑا رستہ لیا امام جی دوڑے اور قدموں میں گرے تو حور نے کہا" اچھا تم ایک کام کرو میں اس صندوق میں ہو جاتی ہوں چلو دنیا میں لے چلو"

امام "سر آنکھوں سے دل و جان سے"

حور "مگر تمہاری صورت پہچانی جائے گی لاؤ صورت بدل دوں"

اتنا کہکر حور نے امام صاحب کا منہ کالا کیا اور اُن کے سامنے صندوق میں بیٹھ گئی۔ امام صاحب صندوق سر پر رکھکر باہر نکلے آدھی رات کے وقت شہر میں پہونچے تو کوتوال گشت کر رہا تھا، روکا اور صندوق کھولا تو اس میں ایک عورت کی لاش تھی۔

امام صاحب تھر تھر کانپنے لگے۔ کوتوال نے کہا۔

"کیا نام ہے بے تیرا"

امام "ذرا ادب سے شمس العظمۃ، عمام غضل العلام عنوار العلیم بن قاضی عکرم محمد عفتخار پوری ریپوری چشتی نقشبندی قادری بدعتی محمدی دیوبندی حنفی المحدیث شمس الائمہ امام افضل الاسلام انوار العلیم بن قاضی اکرم احمد افتخار پوری چشتی نقشبندی قادری بدعتی احمدی دیوبندی حنفی المحدیث......."

نام پوری طرح ختم نہ ہوا تھا کہ ایک تھپڑ کوتوال نے اس زور سے دیا کہ امام صاحب کا صافہ دور جا پڑا اور کہا" زیور کہاں ہے"

امام "زیور؟ ارے میاں کیسا زیور؟"

کوتوال "اور یہ منہ کیوں کالا کیا ہے کہ کوئی پہچان نہ لے؟ کیوں بے مردود تو امام ہے؟ نماز پڑھاتا ہے؟"

امام "الحمد للہ۔ اس عاجز کے پیچھے تمام شہر کی آبادی نماز پڑھتی ہے"

کوتوال نے دو داور دئے۔ امام صاحب "مر گیا مر گیا" کہتے بھاگے مگر جا کہاں سکتے تھے۔ سپاہیوں نے خوب پیٹا۔ امام صاحب کبھی حور کو یاد کر رہے تھے کبھی جنت کو کہ سامنے سے مسلمانوں کا وہی گروہ جو سیر کے واسطے جنت عزازیلی میں داخل ہوا تھا دکھائی دیا۔ رات چاندنی تھی امام صاحب کا منہ کالا اور یہ حالت دیکھکر انہوں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہا "حضرت شیطان نے ورغلایا ہم کو بھی تھا مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے ایمان پر ثابت قدم ہیں۔"

اب گیارہ بج گئے ہیں جلسہ شروع ہونے والا ہے۔

ساتویں تصویر

جلسہ ٹھیک آدھی رات کو شروع ہوا۔ حاضرین کی کثرت اس قدر تھی کہ عزازیلی جمعیت کو اپنی قدرت کے تماشے دکھانے پڑے اور بیشمار سٹیج ہوا میں تیار کیے گئے تاکہ مقرر کی آواز بآسانی پہونچ سکے۔ آج ہز امپیریل میجسٹی وی سیٹن اوف دی ورلڈ خود کرسی صدارت پر جلوہ فرما تھے۔ اراکین دربار امراء و وزراء دست بستہ نیچی نظریں کئے کھڑے تھے۔ باجے شیطانی شکریہ کے ترانے بجا رہے تھے اور ہوائی حوریں سریلی راگنیوں کا مینہ مخلوق پر برسا رہی تھیں۔ خوش رنگ اور دلآویز پھول جن کی صورت اور سیرت آنکھوں کو خیرہ اور دل کو مسخر کر رہی تھی ہوا میں تیرتے پھر رہے تھے۔ ایک نور کا دریا تھا جو ہر سمت لہریں لے رہا تھا۔ ایک بجے کے قریب جب آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر تھی سب سے پہلے قدرت شیطانی کے مظاہرے دکھائے گئے۔ یاسمین و گلاب حوروں کی گردش چشم سے پیدا ہو ہو کر اپنی بہاریں دکھا اور دماغوں کو مست کرتے ہوئے فنا ہو رہے تھے۔ خوش الحان پرندوں کی نغمہ سنجی معزز مہمانوں کی تشریف آوری کے شکریہ میں سرگرم ہوئی

اور جب طوطی سیمیں کی صدا نے خاموشی کا ڈنکا بجایا تو سناٹا چھا گیا۔

رات بھیگ رہی تھی اور گو شیطانی قوتیں صفت انسانی پر پوری طرح غالب آچکی تھیں مگر قدرت کی ایک ہلکی سی جھلک اب بھی ان داغوں کو چکرا دیتی تھی جو مصنوعی دنیا میں حکومت کر رہے تھے۔

اس وقت سانس کے سوا کوئی دوسری آواز اگر تھی تو فضاء آسمانی میں ہوا کا نغمہ اور سرسبز درختوں کے منتشر ہونے کی موسیقی۔ ابھی پچھلا پہر شروع نہ ہوا تھا کہ وزیر جنگ نے اپنی فوج کو کھڑا کیا اور ایک ہلکی سی سرخی نمودار ہوتے ہی یہ گروہ خداوند شیطانی کے سجدہ میں گرا اور قدم چوم کر ترقی اقبال کے نعرے لگائے جب میدان اس گونج سے پاک ہوا تو وزیر نے تصویر دکھا کر یہ تقریر شروع کی

"میں سمجھتا ہوں اس پوری صدی میں اس سے بہتر انسان ہم پیدا نہ کر سکے اس کا ہر سانس، ہر قدم، ہر قول، ہر فعل، ہمارے واسطے باعث فخر ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کی زندگی پر ہم ہمیشہ ناز کریں گے اور جس طرح اس کی زندگی مایۂ ناز ہے اسی طرح اس کے بعد اس کی موت بھی ہماری سچی مسرت اور حقیقی راحت کا باعث ہوگی۔ اس نے قرآن اور حدیث کو خدا اور رسول کو، مذہب اور احکام کو ایک تل کے برابر وقعت نہ دی اور آج بھی دنیا کا تغیر و انقلاب زندگی کا عروج و انحطاط حالات کی ترقی و تنزل، اس کو تباہ و برباد کر چکے اس کے خیالات کی بنیاد اٹل، اس کے دماغ کا استحکام بدستور اور اس کے قلب کا یقین اسی مرکز پر ہے۔

رسول پور کے اصفہانی قلعہ کے آثار جو اب تک انسانی ہڈیوں کی طرح اپنی زندگی کی داستان سنا رہے ہیں اب بھی جنوبی ہندوستان میں کھوئے بھٹکے مسافر کو نظر آجاتے ہیں اور آنکھ تامل اور غور کرے تو بتاتے ہیں کہ کس طرح زمانہ سنگین فصیلوں کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے اور وقت مطمئن دلوں

کو منتشر کرکے دولتمندوں کو بھیک منگوا دیتا ہے۔

قلعہ کے جنوب مشرقی حصہ میں ایک بلند ٹیلے پر جس کی خاک کو دریا سے سر لب بوسے دیتا ہے اس اصفہان الدولہ کی اکلوتی بچی شیرازی بیگم کی ہڈیاں دفن ہیں۔ ہر سال موسم بہار میں بڑ کے عظیم الشان درخت کی پہلی کونپلیں شیرازی کا مرثیہ پڑھتی ہوئی دنیا میں نمودار ہوتی ہیں۔ اور قمری مہینہ کی ہر چودھویں تاریخ کو چاند کی پہلی جھلک اس کے مسکن کو بوسہ دیتی ہے۔ دنیا ان آنکھوں سے خالی نہیں ہے جنھوں نے رات کے آخری حصہ میں شیرازی کی روح کو قلعہ میں گریہ زاری کرتے دیکھا ہے اور قلعہ اصفہانی آج بھی ان کانوں سے جن میں اس بدبخت بچی کے نالے بس رہے ہیں آباد ہے۔

شیرازی بیگم اور شیراز الدولہ اس اصفہان کے جس کی تصویر پیش کرنے کا اس وقت مجھکو فخر حاصل ہے بچے ہیں۔ ان کی ماں سعید یا اصفہان کی بیوی ایک متمول تاجر کی لڑکی تھی جس کو جہیز میں قریب قریب تمام رسول پور ملا تھا یہی وجہ تھی کہ اصفہان رسول پور کا ایک متمول رئیس تھا جس کی ٹکر کا امیر دور دور نہ تھا۔ وہ چونکہ ایرانی النسل تھی اس لئے دونوں بچے حسن کی کان تھے۔ شیرازی کی تعلیم و تربیت میں بڑا ہاتھ ماما کا تھا جس نے اس کی قابلیت کا سکہ دور دور بٹھا دیا تھا۔ ایک رات جب چاند دریا کی لہروں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا اور شیرازی کنارے پر بیٹھی اس تماشے میں محو تھی اس نے پشت پر بھائی کی یہ آواز سنی:-

"شیرازی بیگم! ایک بج رہا ہے تم یہ کیا کیا کرتی ہو جب آنکھ کھلی اور باہر نکل آئیں۔ تمہارا رنگ دیکھ دیکھ کر والدین کے ساتھ میں بھی پریشان ہوں کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔"

شیرازی: "شیراز! تم مجھ سے عمر میں ڈیڑھ سال بڑے ضرور ہو مگر اس

کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم عقل میں بھی مجھ سے زیادہ ہو۔ میں اپنی طبیعت اور عادت کو تم سے اور تمہارے محترم والدین سے بہتر سمجھ سکتی ہوں اور اگر ناخوش نہ ہو تو یہ بھی کہہ دوں کہ اپنے معاملہ کو ہر شخص سے بہتر سمجھنے والی میں خود ہوں۔ بدقسمتی سے میں اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ہر بڈھے کی رائے اس لئے کہ وہ بزرگ ہے جوان کے مقابلہ میں صائب سمجھوں۔ تجربہ کا کچھ حق انسان کو بل سکتا ہے مگر نہ اتنا کہ اس کی زبان سے جو کچھ نکلے قرآن و حدیث کے برابر ہو۔ کیا آپ ایک عالم کو جو جوان ہے ایک جاہل کے سامنے جو بڈھا ہے کمتر خیال کریں گے۔ میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ لڑکی صرف اس لئے کہ ماں اور باپ کا حکم ہے دیدہ و دانستہ ذبح ہو جائے اور اپنی زندگی تباہ کرے۔ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں میں باہر نکل آئی۔ پیام نکاح میری زندگی اور موت کا سوال ہے اور اگر اسلام نے اس کا فیصلہ صرف والدین کے ہاتھ میں رکھا ہے اور مجھے بے دست و پا کر دیا ہے تو میں آپ سے اور آپ کے اسلام سے باز آئی۔"

شیراز:۔ "تم نے فقہ حنفی کا مطالعہ اچھی طرح کیا ہے۔ تم قرآن و حدیث سے بھی باخبر ہو نکاح کے معاملہ میں مجھے جہاں تک معلوم ہے ولی کا ہونا ضروری ہے ابا جان ولی ہیں اور انکی رائے تمہاری رائے سے یقیناً بہتر ہوگی۔"

شیرازی:۔ "افسوس میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں اور اس کی وجہ ابھی بیان کر چکی ہوں۔"

شیراز:۔ "سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ مسلمان لڑکیاں پردہ کی وجہ سے صرف خاندان کے دو ایک لڑکوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ ان کی واقفیت محدود ہوتی ہے اور جو سامنے آجاتا ہے اسی کو نعمت سمجھنے لگتی ہیں۔ یہی کیفیت معاف کرنا تمہاری ہے۔"

شیرازی:۔ "تم نہایت غلط کہہ رہے ہو اسعد جس کا پیام ٹھکرایا جا رہا ہے

گو تمہارا دور پرے کا رشتہ دار سہی مگر یقین کرو کہ میں نے آج تک اس کو نہیں دیکھا اور نہ اس نے مجھے دیکھا۔"

شیراز:۔ جب حالات یہ ہیں پھر تم کو اسعد کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے اور تم اس کو کیوں پسند کرتی ہو؟"

شیرازی:۔ ہاں یہ سوال تم نے معقول کیا میں اس کا جواب نہایت خوشی سے دوں گی۔

واقعات میرے اور تمہارے دونوں کے سامنے ہیں نتیجہ پر جس طرح تم پہونچ سکتے ہو میں بھی پہونچ سکتی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں حالت اور طبیعت سے تمہارے مقابلہ میں زیادہ واقف ہوں۔ جب مخالف اور موافق دونوں قسم کی رائیں سامنے آجائیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے انکار کی وجہ کیا ہیں اور میرے میلان کے اسباب کیا۔ اگر تم برا نہ مانو تو کہوں کہ اباجان کے انکار کی وجہ کھلی ہوئی ہے اور وہ ان کی اپنی غرض ہے۔ اپنی ذاتی ضرورت کا شکار اولاد کو بنانا ماں باپ کا کس حد تک جائز حق ہے؟"

شیراز:۔ لو اماں جان اور اباجان بھی آگئے۔"

شیرازی:۔ اگر تم سلسلہ سخن جاری رکھو تو مجھے ان کے سامنے بھی گفتگو کرنے میں تامل نہیں اور مجھے تمہارے کان میں یہ بات ڈال دینی چاہئے کہ نکاح کے وقت ایجاب قبول کا مرد اور عورت کو شرع اسلام نے کامل اختیار دیا ہے۔ میں اگر ان حالات میں ممتاز سے انکار کر دوں تو کسی کو مجھ پر اعتراض کا حق نہیں اور میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔"

قلعہ اصفہانی کے کنگرے اپنی عظمت گذشتہ کی یاد میں سرگرم فغاں ہیں۔ فاختہ کی کو کو فضائے آسمانی میں گونج چکی۔ پائیں باغ کی بہار کا خاتمہ ہے اور پژمردہ

کے آثار نمودار ہو چکے ہیں چمپا اور مولسری کے ہرے بھرے درخت دم توڑ رہے ہیں۔ گلاب زندہ ہے مگر پانی کو ترستا ہوا، گھاس کی روشیں خاموش زبان سے داستان حیات سنا رہی ہیں بلبل ناشاد کے نچے کھچے پروں اور گل بدبخت کی مرجھائی ہوئی پنکھڑیوں میں زندگی کا ایک طومار پوشیدہ ہے۔ اصفہان اور اس کی بیوی یاسمن کے نیچے خاموش بیٹھے ہیں۔ شیراز اور اس کی بہن مولسری کے سایہ میں ٹہل رہے ہیں۔

آفتاب ختم ہونے کے قریب تھا اور اس کی آخری کرنیں فنا ہو رہی تھیں کہ اصفہان نے بیوی سے کہا۔

"جس طرح یہ سورج دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس طرح میرا بھی آخری وقت ہے اور میرا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شیراز کے لئے کوئی پریشانی نہ چھوڑ جاؤں۔ اگر شیرازی کی شادی غیر کفو میں ہوئی تو تمہاری جائداد برباد ہوگی اور داماد شرعی حصہ کا خواستگار ہوگا اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم اپنے ہاتھ سے شیراز کو تاراج کر جائیں۔ ممتاز ہمارا عزیز ہے اور میں نے اس سے اور اس کے باپ سے یہ طے کر لیا ہے وہ خود اسی رواج میں شریک ہے کہ لڑکیوں کو ترکہ پدری نہ ملے اور رواج کے موافق محروم رہیں۔ ان حالات میں تم کنبہ کا اگر کوئی اور لڑکا یا مرد تجویز کرو تو مجھے انکار نہیں مگر شرط یہی ہے کہ غیر کفو نہ ہو جو ترکہ کا طالب ہو۔"

"شیراز! تم کیا کہہ رہے ہو میں اسلام اور شرع اسلام سے باز آئی اور اگر اس جرم میں کہ میں ایک مسلمان باپ کی بیٹی ہوں مجھکو یہ سزا دی جاتی ہے کہ میری آزادی سلب ہو اور بہ جبر میرا نکاح کر دیا جائے اور میرا مستقبل تباہ اور زندگی غارت ہو جائے تو میں تم سب عزیزوں کو دونوں ہاتھوں سے سلام کرتی ہوں۔ میں تسلیم کر لیتی ہوں کہ باپ میرا

ولی ہے اور وہ میرے نکاح کا جایز حق رکھتا ہے لیکن جب باپ کی بدنیتی میرے علم میں آگئی تو گو اس سے انحراف تمہاری رائے میں میرا شرعی حق نہ سہی مگر عقل سلیم مجھے پورا اختیار دیتی ہے کہ میں تم سب کے خود غرضانہ فیصلے اور اس لغو تجویز کو ٹھکرا دوں آ آجان اگر اب راضی نہیں ہیں تو آگے چلکر وہ آ آجان سے اتفاق کرنے پر مجبور ہونگی اور اس طرح دو میاں بیوی ماں باپ کی حیثیت میں ایک ناکردہ گناہ لڑکی کو ذبح کرینگے۔ لیکن تم مطمئن رہو میں آسانی سے ذبح نہ ہونگی اور اپنے خون کی چھینٹوں سے تمام خاندان کو رنگ کر مرونگی تم صرف میری رائے والدین تک پہونچا دو"

اصفہان کا ملازم کانپتا ہوا آیا اور کہا "سرکار۔ قاضی صاحب ممتاز میاں اور ان کے عزیز تشریف لے آئے"

"مجھکو اگر یہ معلوم ہوتا کہ تعلیم نسواں زہر ہلاہل ہے اور میں تم کو پڑھا نہیں رہا، تمہاری اور تمہارے ساتھ اپنی اور اپنے ساتھ تمہاری ماں کی زندگی غارت کر رہا ہوں تو یقیناً میں تم کو جاہل رکھتا اور اس جہالت کو اس ناشدنی تعلیم سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا۔ مجھکو خبر نہ تھی کہ تم پڑھ لکھ کر ایسی بے حیا اتنی بے حمیت اور اس قدر آزاد ہوجاؤگی کہ خاندانی شرافت اور جوہر انسانیت ہاتھ سے جاتا رہے گا اور تمہاری وجہ سے اس بڑھاپے میں اس قدر پریشان و حیران رہ جاؤں گا کہ زندگی وبال جان ہوجائے گی دنیا کا کوئی قانون اور کسی انسان کی عقل سلیم ہرگز یہ گوارا نہ کریگی کہ ایک باپ جس نے ہزارہا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھا کر بیٹی کو جوان کیا جو اس کی برائی بھلائی کو اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا منہ تکتا رہ جائے اور ناتجربہ کار لڑکی اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی رائے اور خیال سے ایک لڑکا منتخب کر نکاح کرے تم کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آج گھر اور خاندان میں نہیں، محلے اور قلعے میں نہیں سیو لیپور میں میری ناک کٹ رہی ہے اور بچہ بچہ کی زبان پر یہ چرچا ہے کہ

شیرازی نے نکاح سے انکار کر دیا تمہاری رائے میں یہ معمولی بات ہو گی اگر یہ حقیقت ہوئی تو کہا میری عزت اس کو برداشت کرے گی۔ تم اپنے انکار سے پہلے باپ کا جنازہ اس گھر میں دیکھ لینا کیونکہ جو منہ دنیا کو دکھانے کے قابل نہ رہا اس کا زندہ رہنا بے سود اور بیکار ہے۔

میں خوب جانتا ہوں جو کچھ میں سن رہا ہوں وہ مبالغہ اور غلط ہے اور خدانخواستہ تم ایسی ناہنجار نہیں ہو کہ میری موت کو محض اپنے نفس کی خاطر جائز سمجھو مجھکو تمہاری شرافت سے یہاں تک اُمید ہے کہ میری زندگی ہر قیمت پر خریدنے کیلئے تیار رہو گی، اس لئے میری پیاری بیٹی میری عزیز بچی تم میرے حکم کی تعمیل کرو اور یقین کرو کہ بڈھا باپ تمہارا دشمن نہیں اور آج ہم دونوں سے زیادہ دنیا میں کوئی تمہارا رفیق نہیں ہو سکتا۔"

"بس تم دل بھاری نہ کرو جاؤ باہر جاؤ انتظام کرو لوگوں کا کیا ہے یوں ہی ادھر کی اُدھر کرتے ہیں وہ انکار کرنے والی لڑکی نہیں ہے اور تمہارے حکم سے! بھلا تم سے زیادہ اس کا دوست کون ہو سکتا ہے تم جاؤ ابھی تیاریاں کرو وہ انکار نہ کرے گی کیا ماں باپ اور تمام خاندان کو ذلیل و رسوا کرے گی"؟

رات کا ابتدائی حصہ تھا ایک وسیع کمرہ میں بڈھا اصفہان اور اس کی ادھیڑ بیوی سعید یہ خاموش بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ان کی بچی شیرازی اس طرح کھڑی تھی کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے باپ کی اس تقریر نے خموشی کو توڑا! اور بیوی کا اشارہ پاتے ہی اصفہان باہر گیا اور ماں نے بیٹی سے کہا۔

"بیٹی خدا تیری عمر دراز کرے رونے کی کیا بات ہے بادشاہوں کی لڑکیاں بھی سدا میکے میں نہیں رہتیں۔ یہ وقت تو سب ہی کو دیکھنا پڑتا ہے اور پھر میں تو تجھکو ایک دم کے واسطے اوجھل نہ کرونگی بیٹی میں نے پہلے ہی کہدیا ہے کہ گھر داماد لوں گی اور اپنی بچی کو ایک دن کے واسطے بھی رخصت نہ کروں گی جب انہوں نے سب

شرطیں منظور کر لیں۔ اس وقت میں نے ہاں کی ہے۔ بیٹی اب تو سامنے والے کمرہ میں چلی جاؤ، وکیل گواہ آتے ہوں گے۔

چشم زدن میں مردانہ بھی اور زنانہ بھی کھچا کھچ مردوں اور عورتوں سے بھر گیا، چھوہارے آگئے، مٹھائی آئی، کپڑا آتا گیا، گہنا پاتا آیا، پان مصری آئی، ہار پھول آئے، قصہ کوتاہ وہ وقت آیا بھی اور گیا بھی کہ وکیل اور گواہ لڑکی کی ہاں سننے مردانہ میں پہونچے اور نکاح ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب برات رخصت ہوئی چونکہ تعلیم یافتہ گھر تھا اس لئے فضول مراسم نظر انداز کی گئیں تھیں، کہ آرسی مصحف بھی نہ ہوا اور بارہ بجے دلہن پالکی میں بیٹھ دولہا کے گھر رخصت ہوئی۔ اصفہان اور سعدیہ کو خوشی کے مارے تمام رات نیند نہ آئی اس واسطے نہیں کہ وہ ایک بڑے فرض سے سبکدوش ہوئے اور نہ اس لئے کہ بیٹی کو ان کی مرضی کے موافق بر مل گیا بلکہ اس لئے کہ باپ کی کوشش ہر طرح کامیاب ہوئی جو دھڑکا تھا جاتا رہا اور جو کھٹکا تھا وہ غلط نکلا۔ شیرازی نے باپ کی رائے سے اتفاق کیا اور چپ چپاتے وداع ہو گئی مگر راستہ کی تمام مسرت طلوع آفتاب کے بعد کلفت سے بدل گئی جب معلوم ہوا کہ دولہن غائب ہے!

ادھر اصفہان، سعدیہ اور شیرازی ادھر ممتاز اس کی ماں اور باپ تلاش میں مصروف ہوئے کونہ کونہ دیکھا چپہ چپہ دیکھا مگر سوئی نہ تھی کہ چھپ جاتی۔ گھر دیکھے لیکن بچہ نہ تھا کہ دبک جاتا۔ تمام رسولپور کی خاک چھانی آس پاس کے گاؤں کنوئیں دیکھے، مگر دلہن کا پتا نہ چلنا تھا اور نہ چلا۔ واقعہ کے ساتھ ایک نیا گل یہ کھلا کہ شیرازی کی کنیز رحیمن بھی غائب تھی۔ رحیمن تھی تو گھر کی لونڈی مگر چونکہ شیرازی کی ہم عمر اور اس کی ہمراز تھی اس لئے گمان غالب تھا کہ دونوں ساتھ گئیں۔

اس واقعہ کا تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ ممتاز اور اسکا باپ ایک خط لئے ہوئے

اصفہان کے پاس آئے جس پر ڈاک خانہ کی دونوں مہریں تھیں اور یہ لکھا تھا۔

"بھائی ممتاز! تم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ آج وہ دورِ جہالت نہیں کہ ماں باپ نے جب چاہا اور جس سے چاہا لڑکی کو بلا سوچے سمجھے پلے باندھ دیا۔ یہ رسم اچھی تھی یا بری مگر چونکہ عقلِ انسانی اس کو گوارا نہ کر سکتی تھی اس لئے پائدار نہ نکلی اور لڑکیوں کو مجبوراً اس تعلیم کی روک تھام کرنی پڑی۔ شیرازی کسی طرح بھی اس پر رضامند نہ تھی کہ مجھ جیسے انسان کی موجودگی میں اس کا نکاح تم جیسے حیوان سے ہو جاتا۔ وہ بیری تھی بیری ہوگئی اور بیری رہے گی مگر یہ نکاح تم کو نہیں تمام گاؤں اور قلعہ بلکہ قوم کو سبق دے رہا ہے کہ انکار کے موقع پر لڑکیوں کے اصرار کی اچھی طرح چھان بین کریں۔ تم کو صدمہ تو ضرور ہوگا مگر الحمد للہ کہ کل شب باقاعدہ طور پر میرا نکاح شیرازی سے ہو گیا اور اب وہ بیوی کی حیثیت سے میرے گھر میں ہے۔"

سنتا ہوں کہ تم اس کی وجہ سے پریشان ہو اور اس کے والدین تمہارے ساتھ آپے سے باہر ہیں۔ بھائی ان باتوں میں کیا رکھا ہے جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس خیال کو چھوڑ دو اور صبر کرو۔"

اسعد

اصفہان: "تم کو ایک لمحہ کی دیر نہ کرنی چاہیئے فوراً پولس میں رپورٹ کرو۔ ان دونوں نابکاروں کے اعمال کی پوری سزا دلواؤ۔"

ممتاز کا باپ: "میں آپ سے صرف مشورہ کرنے آیا ہوں رپورٹ کس کی طرف سے ہو؟"

اصفہان: "میاں ممتاز کی طرف سے کیونکہ وہ اُن کی منکوحہ ہے۔"

ممتاز کا باپ: "بیشک ابھی وارنٹ لیکر چلنا چاہیئے دونوں کو گرفتار کرلیں۔ بلکہ رحیمن کو بھی اعانت میں لو۔"

شیراز:۔ اس واقعہ کے بعد اب میں کالج جانا پسند نہیں کرتا۔ موسم زیادہ گرم ہو رہا ہے اور درد سر کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں یہ وقت یہاں پر گذاروں مجھے اپنا اسباب وغیرہ کالج سے لینا ہے اس لئے ایک روز لکھنؤ ٹھہروں گا اور اس کے بعد یہاں پر چلا آؤں گا۔ میں نے ابھی یہ بھی فیصلہ نہیں کیا کہ نینی تال جاؤں یا منصوری بہرحال جہاں بھی جاؤں یہ وقت کسی ایسی جگہ گذاروں گا جہاں موسم خوشگوار ہو۔"

اصفہان:۔ اس وقت کہ میرے حواس گم اور میرے ہوش باختہ ہیں اور میری حالت دیوانوں سے بدتر ہو رہی ہے تمہارا جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ تم کالج کا وقت پورا کرتے مگر چونکہ تم دل برداشتہ ہو چکے ہو اس لئے میں تم کو مجبور نہیں کرتا اور ان حالات میں کہ معاملہ صحت و علالت کا ہے جہاں تمہارا جانا مصلحت نہیں وہاں تمہارا ٹھہرنا بھی قرین قیاس نہیں۔ اگر تم جاتے ہو تو بسم اللہ۔ افسوس اس کمبخت شیرازی نے ہم کو کہیں کا نہ رکھا۔"

شیراز:۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ شیرازی بے گناہ ہے اور ہم محض اپنی ہٹ دھرمی سے اس کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں اور صرف اس لئے کہ وہ اس جائداد سے محروم رہے اس کی زندگی تباہ کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کیا یقیناً ہم اس کے مستوجب ہیں۔ خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا میں اب جا رہا ہوں۔"

سعدیہ:۔ میں تم سے کچھ گفتگو کرنی چاہتی ہوں۔"

شیراز:۔ میں جانتا ہوں جو کچھ آپ فرمائیں گی اس لئے اب مجھے اجازت ہی دیجئے۔ انشاء اللہ پھر گفتگو ہوگی۔"

سعدیہ:۔ "نہیں تم میری بات سن کر جاؤ۔"

شیراز:۔ اماجان آپ مجھے معاف فرمایئے اگر میں عرض کروں کہ شیرازی کی

بربادی کی بڑی ذمہ داری آپ پر ہے۔ بڑی اماں کی زندگی محض آپ کی وجہ سے تباہ ہوئی۔ شرع اسلام نے ابا جان کو نکاح ثانی کی اجازت دی تھی تو کیا اسی سلوک کی شرط تھی جو بڑی اماں کے ساتھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ ان کا بیگناہ بھائی صرف اس لئے جیلخانہ میں جائے کہ بہن کی جائز حمایت کیوں لی اور آپ، دونوں صاحب اپنی کامیابی پر نازاں ہوں؟ یہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا یقین فرمایئے آپ کے اعمال کا بدلہ ہے جو قدرت آپ سے لے رہی ہے۔"

آدھی رات کے وقت جب دنیا عالم خواب میں تھی اسعد کے گھر پر پولس کا ہنگامہ شروع ہو گیا ہر چند تلاش کی مگر شیرازی کا پتہ یہاں بھی نہ چلا۔ اسعد نے خط سے، اس کے باپ نے علم سے اور محلے والوں نے نکاح سے قطعی انکار کیا پولس بھی حیران و ششدر تھی بہتیرا ہی پتہ لگانا چاہا رات ساری ادھیڑبن میں گذری مگر شیرازی یا رحیمن کا پتہ نہ چلا ابھی آفتاب طلوع نہ ہوا تھا کہ ایک عورت جو سر سے پاؤں تک برقع میں تھی بھاگتی ہوئی دکھائی دی اور دفعتاً یہ غل مچا کہ

"شیرازی جا رہی ہے"

اصفہان اس کے پیچھے دوڑا مگر چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اور اصفہان غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا اس لئے ریوالور سے فائر کیا "ہائے" کی ایک آواز کے بعد برقع پوش انسان نیچے گرا اور پولس نے اصفہان کو گرفتار کر لیا۔

پولس سب انسپکٹر نے مقتول کی لاش، اس کا خون جو بازو سے جاری تھا، خون آلود کپڑے مع رپورٹ سپرنٹنڈنٹ کے پاس طبی معائنہ کے لئے روانہ کر دئے اور ریوالور، کارتوس وغیرہ قبضے میں رکھے، لاش کی تصویر لینے کے بعد جو ورثا کی خواہش و صرف پر اتاری گئی، اصفہان کا چالان کیا گیا۔ ۲۵ تاریخ کے "دی محشر" رسولپور کے روزانہ اخبار نے اس واقعہ پر اس طرح رائے زنی کی:-

شیرازی بیگم کا باپ کے ہاتھ سے قتل

صوبہ کے مقتدر مسلمان آجکل اس مقدمہ کے نتیجہ کا غور سے انتظار کر رہے ہیں جس میں سوپور کا مشہور رئیس اصفہان الدولہ اپنی بیٹی شیرازی بیگم کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے ہم عدالت کے فیصلہ سے پہلے ابھی واقعات پر رائے زنی نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مردوں نے عورتوں کے حقوق غصب کرنے میں جو کمال دکھایا وہ اب سرزمین ہندوستان پر پل پلا کر اس قابل ہو گیا کہ تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔

شاید پچیس تیس سال سے ہمارے صوبہ کے مسلمانوں نے احکام اسلاف کے خلاف لڑکیوں کو ترکہ پدری سے محروم کر کے رواج کو غالب قرار دیا ہے اور قانون شرعی میں اس قسم کی ترمیم جائز بھی ہے چنانچہ قریب قریب تمام صوبہ میں یہ رواج صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور اس ہٹ دھرمی کی کامیابی کا پہلا زینہ یا بہانہ لڑکیوں کی شادی کفو ہے۔ یہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر شادی صرف مسلمانوں میں ہوئی تو لڑکی کو ترکہ دینا پڑیگا چنانچہ انہوں نے ایک چیز کفو پیدا کی ہے کہ لڑکی کا نکاح کفو میں کرینگے یعنی ان بے ایمانوں میں جو احکام الٰہی کے ایمان سے محروم غلبہ رواج کے ہمنوا ہوں مگر یہ ایک قسم کا دھوکا ہے اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کفو کی برتری کو مٹا کر مساوات قایم کرنے آیا تھا نہ کہ خاندانی نخوت و تمکنت کو ترقی دینے اور ان کا یہ عذر سراسر مذہب مقدس کے خلاف ہے۔ اس بے ایمانی کا شکار شیرازی بیگم ہوئی مگر ہم یہ دیکھکر خوش ہیں کہ شیرازی بیگم نے ایثار سے کام لیکر اپنی مظلوم بہنوں کے واسطے خوشگوار تخم ریزی کی اور خود مر کر مردوں کو بتا دیا کہ کفو کی آڑ کیا معنی رکھتی ہے سنا ہے کہ شیرازی بیگم کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کفو میں ہوئی اور وہ ایک دوسرے شخص کے گھر پر باپ کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔"

اصفہان الدولہ کی طرف سے قانونی پیروی بہت اچھی طرح ہوئی دُور دُور کے وکیل آئے اور ملزم کی بریت کے واسطے ہر ممکن کوشش کی۔ مقدمہ کی کارروائی ختم ہوئی تو صفائی کی طرف سے جو تقریر ہوئی اس کا ایک حصہ یہ تھا۔

"اس مقدمہ میں سب سے زیادہ زور اس بحث پر دیا گیا کہ ملزم کا مقصد اپنی لڑکی شیرازی بیگم کو ترکۂ پدری سے محروم کرنا تھا اور اسی وجہ سے اس کی مرضی کے خلاف اسکا نکاح ایسے لڑکے سے کیا جو رواج کا حامی اور تقسیم کے خلاف تھا یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ثبوت جرم کو اس سے کسی قسم کی مدد نہیں ملتی۔ سب انسپکٹر کی طرف سے جو رپورٹ کی گئی یعنی روزنامچہ وہ غائب ہے اور واقعات کا پورا علم عدالت کو نہ ہو سکا ملزم پر الزام اس کی لڑکی کے قتل کا ہے اور وہ شیرازی بیگم کے قتل میں ماخوذ ہے مگر استغاثہ یہ نہ ثابت کر سکا کہ لاش شیرازی بیگم کی ہے پھر سوال کے جواب میں ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ موت ریوالور کے فائر سے ہوئی، بہت ممکن ہے کہ فائر لاش پر کیا گیا ہو لاش کا رات ہی رات میں دفن ہو جانا اس شبہ کو اور تقویت دے رہا ہے صفائی ثابت کر چکی ہے کہ اس رات ایک لاش قبل از دفن قبرستان سے غائب ہوئی گو وہ لوگ جو شریک دفن تھے اور شیرازی بیگم کے قریبی عزیز ہیں کہتے ہیں کہ یہ لاش شیرازی بیگم کی نہ تھی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم شہادت شیرازی بیگم کے بھائی کی ہے جو اس بیان کی تائید کر رہا ہے۔ ان حالات میں اگر میں یہ بھی نہ کہوں کہ شیرازی بیگم کا قتل ثابت نہیں ہوا تو اتنا ضرور کہوں گا کہ شبہ قوی ہے اور ملزم اس سے مستفید ہونے کا جائز حق رکھتا ہے"

عدالت ابتدائی نے مقدمہ سشن سپرد کر دیا جہاں دوسرا مقدمہ جس میں اسعد اغوا اور اعانت قتل میں ماخوذ تھا چل رہا تھا۔

آٹھ مہینے کے قریب دونو مقدمے جاری رہے اور اصفہان نے اپنے بیان میں

یہ الفاظ واضح طور پر کہے کہ :-

"میرا مقصد اس نکاح سے صرف شیرازی کو اپنے جائداد کے ترکہ سے محروم کرنا تھا میرے سامنے اسکا مستقبل نہ تھا اسعد کے مقابلہ میں ممتاز جس سے میں نے بالجبر نکاح کیا کوئی حیثیت و وقعت نہیں رکھتا میں نے جس کو قتل کیا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھا اور قتل ہوا بھی یا نہیں۔ میں نے شیرازی سمجھکر فائر کیا اور جہانتک میں سمجھتا ہوں گو اندھیرا گھپ تھا مگر نشانہ خالی نہیں گیا میں غصہ میں آپے سے باہر تھا اور اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں مردہ شیرازی کی بھی ہڈیاں چبالیتا مجھے اگر پھانسی ملے یا جیل خانہ ہو تو میں اس اعتبار سے بہت خوش ہوں کہ شیرازی کا کانٹا میری اور اس کی ماں کی جائداد سے نکل چکا اور ہم دونوں میاں بیوی جو کچھ چھوڑ رہے ہیں یا چھوڑیں گے اسکا مالک شیراز الدولہ بلا شرکت غیرے ہے۔ بدبخت شیرازی کی وجہ سے میری اور خاندان کی جو کچھ بدنامی ہوئی ہے مجھے اسکا قلق ہے مگر شیراز کو جو کچھ میں دیچکا یا دے رہا ہوں اس کی قیمت یہ کچھ زیادہ نہیں ہے"

دوسرے ملزم اسعد نے جو اغوا میں گرفتار تھا بیان کیا کہ

"میں نے شیرازی بیگم کو کبھی نہیں دیکھا میں انکی صورت تک نہیں پہچانتا۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ انکی قابلیت کا شہرہ سنکر میں نے پیام نکاح ضرور بھیجا مگر وہ اس لئے رد کر دیا گیا کہ میں غیر کفو تھا۔ مجھے اتنا ضرور معلوم ہے اور وہ بھی مسٹر شیراز سے جو میرے ہم جماعت نہایت سچے اور سمجھدار آدمی ہیں کہ شیرازی بیگم نے ممتاز کے مقابلہ میں مجھکو ترجیح دی اور اگر ان سے دریافت کیا جاتا اور سوسائٹی اس کو جائز سمجھتی تو وہ ضرور اپنی رائے کا اظہار کر دیتیں۔ مجھے گو صدمہ بہت زیادہ ہوا مگر جب میں نے یہ سنا کہ ان کا نکاح ان کے والدین نے ممتاز سے طے کر دیا تو میں کیا کر سکتا تھا۔ خط کا بھیجنا مجھ پر الزام ہے مجھے نکاح کے بعد کے حالات کا قطعاً

علم نہیں اور نہ میں شیرازی کے قتل کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔"

رات کی اس سنسان گھڑی میں جب چاندنی ہوا کے ساتھ پہاڑ پر کھیل رہی تھی لنگور چاروں طرف چھلانگیں مار رہے تھے، اور خودرو پھولوں کے تھنتھے سرسبز پتوں کو گدگدا رہے تھے ایک نوجوان دامن کوہ سے نکلا پہاڑ پر چڑھا، اِدھر اُدھر دیکھا ٹھٹکا، ٹھیرا، بڑھا، چلا۔ چشمے پر پہونچکر دیکھا تو ہوا پھولوں کی خوشبو سے چادر آب کو مہکا رہی تھی معطر پانی کو بوسہ دیا اور اونچی چٹان پر بیٹھ کر اپنے خیالات میں غرق ہو گیا تاسے رات کے گذرنے کے گھنٹے بجا رہے تھے اور چاند منزل شب کے طے کرنے میں منہمک تھا۔ شب ماہ اپنے ہر لحظہ کی ترقی کے ساتھ ہوا کو ٹھنڈا کر رہی تھی اور آشیانوں کی مدہوش مخلوق کو جگا رہی تھی۔ یہاں تک کہ پہاڑی مینا کے گھونسلے میں جنبش پیدا ہوئی اور ملکہ آشیاں نے اپنی سُریلی صدا سے خاموشی شب کو وداع کیا۔ پہاڑ نے چادر مہتاب اپنے منہ سے ہٹائی پو پھٹنے لگی اور آفتاب عالمتاب پردۂ دنیا سے نقاب شب سرکانے کو آگے بڑھا۔

نوجوان جس کی آنکھوں میں نیند کا خمار کروٹیں لے رہا تھا اُٹھا، نیچے اُترا، اور ایک سمت روانہ ہو گیا شہر کے دروازہ پر پہونچکر اس نے حسرت بھری نظریں چاروں طرف ڈالیں اور سیدھا عدالت کے کمرہ میں پہونچا۔ دونوں مقدموں کی کارروائی ختم ہو چکی تھی اور جج فیصلہ سُنانے والا تھا کہ اس نوجوان نے کہا۔

"واقعات جو کچھ عدالت کے سامنے آئے سر تا سر غلط ہیں۔ اگر انصاف کے نام پر مجھکو اجازت دی جائے تو میں حقیقت کا اظہار کروں اور بے ایمانی کی جو نقاب سچائی پر ڈالی گئی ہٹا دوں۔"

کمرۂ عدالت آدمیوں سے چیونٹیوں کی طرح بھرا تھا دونوں ملزم خاموش کھڑے

تھے ۔ ہں نوجوان کی گفتگو سنتے ہی ہر متنفس سناٹے میں رہ گیا اور ہزار ہا نگاہیں اسکی طرف پہنچیں چند لمحہ کا سکوت طاری رہنے کے بعد عدالت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور"

نوجوان نے رومال جیب سے نکال کر اپنے منہ پر پھیرا اور کہا۔

"جس طرح اسعد پر اغوا کا الزام قطعی غلط ہے اس طرح اصفہان پر قتل کا الزام بھی۔

شیرازی زندہ ہے اور میں اسے عدالت میں پیش کر سکتا ہوں۔ جو تصویر مقتولہ کی لی گئی اور شامل مثل ہے وہ درحقیقت ایک ایسی لاش کی تصویر ہے جس کو قبرستان سے غائب کیا گیا۔ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ اس سازش کی تہہ میں کس کس کی شرکت ہے مگر میں شیرازی کو زندہ ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں اصفہان نے فائر ضرور کیا مگر خالی گیا اور جس پر فائر ہوا وہ بھی زندہ ہے اور شیرازی کی ہمجولی یا کنیز رحیمن ہے اس کی ٹانگ میں صرف ایک یا دو چھرے لگے جن کا نشان اب اس کے جسم میں موجود ہے"

اتنا کہکر نوجوان باہر نکلا اور ایک برقع پوش لڑکی کو لاکر دکھایا کہ :-

"رحیمن جس کے پاؤں چھرے کا نشان دیکھ سکتے ہیں یہ موجود ہے ۔

اب رہا دوسرا مقدمہ جس میں بدبخت اسعد گرفتار ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت جو عورت دولہن بنی وہ یہی رحیمن تھی جس کو سوسائٹی کے دباؤ سے نہ صورت دکھانے کی اجازت تھی نہ آواز سنانے کی۔ وہ جاہل و بدبخت قوم جو انسانی زندگیوں کے فیصلے محض ایک گھونگھٹ کی ہوس پر کرے ان سفاک قصائیوں سے کم نہیں جو بھیڑوں اور بکریوں کے سودے گاؤں سے دور اپنی ضرورت کے اعتبار سے کر دیتے ہیں۔

اس سلسلہ کی وہ کڑی نمرود و فرعون کی خدائی ہے جس کو علماء اسلام شرم و حیا کے لباس میں جو ہر نسوانیت سے تعبیر فرما کر جزو ایمان قرار دیتے ہیں۔

اصفہان کی ہر حمایت کے باوجود مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کی زندگی دنیائے اسلام کے واسطے باعث ننگ ہے۔ لڑکی یا لڑکے کی پیدایش اس کا اپنا فعل نہیں عقل صحیح بتا سکتی ہے کہ اس کی ذمہ داری باپ ورما پر ہوگی جب یہ حقیقت ہو تو وہ باپ اور وہ ماں جو لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دے ایمان سے ہزار کوس دور ہے اصفہان کی یہ نیت کہ وہ شیرازی کو محروم کرے لاریب قابل ملامت ہے۔ کفوییت کی لعنت اسی بے ایمانی کی ایک شاخ ہے۔ اصفہان کا لڑکا شیراز جو باپ کی اس نامعقول حرکت سے متاثر ہوکر یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ زندگی بھر باپ کو منہ نہ دکھائیگا اور اس جائداد اور ملکیت کو آگ لگائیگا، اور جس کو صرف باپ کی گرفتاری اور الزام قتل یہاں لے آیا میرے بیان کی حرف بحرف تصدیق کر سکتا ہے۔"

نوجوان یہاں تک پہونچکر دفعتاً کمرۂ عدالت کی پشت میں گیا اور چند منٹ بعد باہر نکلا اصفہان کے قدموں کو بوسہ دیکر اٹھا اور عدالت سے کہا۔

"شیرازی میں ہوں۔ میرا باپ اور یہ غریب اسعد دونوں بیگناہ ہیں۔"

عدالت میں سانس تک کی آواز نہ تھی اور ہر آنکھ اصفہان کی لڑکی شیرازی کے چہرے پر تھی جس کی آنکھ سے زار و قطار آنسو جاری تھے اس نے ہاتھ جوڑکر باپ سے کہا۔

"اباجان! ماشاءاللہ مجھے آپ کے زر کی پروا نہ تھی مگر میری جبر یہ شادی نے دنیا سے میرا دل اچاٹ کردیا اور میں فیصلہ کرچکی تھی کہ بقیہ زندگی کسی جنگل یا پہاڑ پر بسر کروں گی۔ میں نے اپنی عمر کے آٹھ مہینے دامن کوہ میں گذارے قدرت کی گوناگوں نعمتوں نے فراخ حوصلگی سے میرا استقبال کیا اور جو لطف مجھکو تنہائی میں میسر آیا وہ تعلقات میں نہ تھا۔ آپ نے مجھکو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور جس طرح قدرت نے گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنایا اسی طرح آپ نے ننھے سے دماغ کو احساس کی طاقت بخشی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ معاملہ بے نقاب ہوتے کے بعد آپ اور اسعد

دونوں سرا ہو جائیں گے میں آج بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ آپ کی شفقت پدری کا معاوضہ ادا کرسکی میں اب رخصت ہوتی ہوں آپ اس کے بعد میری صورت نہ دیکھیں گے۔ گھر پہونچکر اماجان کی خدمت میں میری طرف سے آداب کہہ دیجئے اور فرما دیجئے آپ کا مال و دولت بھائی شیراز اور انکی دولہن کو مبارک ہو شیرازی اس کی خواستگار و طلب گار نہیں"

اس قدر کہنے کے بعد شیرازی کی آواز رُکی۔ اُس نے دم لیا اور پھر باپ کی طرف دیکھکر کہا کہ:-

"اس بدنصیب اسعد نے میرے نکاح کا پیام دیکر جو مصیبت اُٹھائی وہ سوسائٹی کی عنایت وکرم ہے میں اپنے اس بھائی سے جس کی میں نے صرف آج صورت دیکھی اور جو میرا شوہر ہونے کا خواہشمند تھا اور جس کی التجا درست اور جس کا جذبہ صحیح تھا نادم ہوں افسوس میں اس کی تکلیف کا کوئی معاوضہ نہیں کرسکتی مگر میری رائے میں وہ لڑکی جس کے ہاتھوں خاندان کی اس طرح بدنامی ہو زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتی بالخصوص جب اس کی بدولت صرف نکاح کا پیام دینے پر ایک شخص ان مصائب کا شکار ہو۔ میں بھائی اسعد سے بھی بمنت معافی کی خواستگار ہوں"

چھُری کے ایک کھچاکے کی آواز کانوں میں آتے ہی جو شیرازی نے اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ میں بھونکی کمرہ عدالت اس کے خون سے سرخ ہوگیا اور چند لمحات کے بعد شیرازی اس دُنیا میں نہ تھی۔

حضور والا ہماری اُمت میں اس سے بہتر انسان دیکھنے میں نہیں آیا اب میں بصد ادب ملتجی ہوں کہ دست مبارک سے تمغہ اس کو مرحمت ہو"
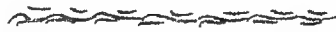
جس وقت افواج خداوندی کا سپہ سالار سینائیل یہ واقعات بیان کر رہا تھا تو اس کی آنکھ سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور جسم کا کوئی حصہ نہ تھا جہاں سے آگ کی

چنگاریاں نہ نکل رہی ہوں ملاء اعلیٰ کی ہر شے اس وقت ساکت تھی حتیٰ کہ دودھ اور شہد کی نہریں بھی خاموشی سے اس کا منہ تک رہی تھیں۔ طیور اپنی راگنیاں بھول چکے تھے۔ ہوا اپنی موسیقی ختم کر چکی تھی اور فلک چہارم سے لیکر جہاں یہ جلسہ منعقد ہوا تھا عرش معلیٰ تک سناٹا طاری تھا صرف ایک موقعہ پر جب مینائیل جلال عزازیل کی تصویر الفاظ میں اتار رہا تھا حوروں کے ایک دستہ نے "لعنت لعنت" کے نعرے بلند کئے مگر فاضل مقرر کے جسمانی شعلے اس صدا پر اور تیز ہوئے اور اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"کیا دنیوی مسلمانوں کی طرح اب تمہارے پاس بھی صرف تصنع باقی رہ گیا ہے اور سمجھتی ہو کہ جاہل عورتوں کی طرح تمہارے کوسنے بھی طاقتور ہستیوں کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں؟ تم مجھکو معاف کرنا اگر میں کہوں کہ تمہاری لعنت سے بہت بڑھی ہوئی لعنت بھی جو حاکم حقیقی کی طرف سے شیطان پر بھیجی گئی اس کا بال بیکا نہ کر سکی اگر تم کو حقیقتہً اس سے نفرت ہے اگر مالک حقیقی کے حقوق کا تم کو احساس ہے تو جنت کی بیفکری کو بالائے طاق رکھو مقابلہ کے واسطے باہر نکلو۔

"کامیاب ہو یا فنا ہو جاؤ"

مینائیل کی اس ڈانٹ نے ہر آسمانی ذی روح کے طیش کو آنسوؤں سے بدل دیا بساط فلک اور مخلوق فلک کی آنکھوں سے ایک خاموش دریا کے قطرے بہہ رہے تھے اور گر رہے تھے۔

خود مینائیل اپنی ناکامی پر کچھ دیر رومال آنکھوں پر رکھکر رویا اور اس کے بعد کہا۔

عزازیل کا زور و اختشام لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہا ہے شاید تم کو معلوم نہیں کہ آج کا عزازیل حضرت آدم کا عزازیل نہیں ہے وہ اپنے ہر قول اور فعل میں ہمارے خدائے عزوجل کا تتبع کر رہا ہے باوجود اس تمام شہنشاہی کے وہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ وہ اور اس کی امت کا ہر فرد انسان کی نگاہ سے اوجھل ہے۔

جب عزازیلی وزیر جنگ ساتوں تصویریں دربار شیطانی میں پیش کر چکا تو دیبا و حریر کا ایک ایسا پر اسٹیج پر ڈال دیا گیا جو جواہرات میں لپا ہوا تھا تخت عزازیلی اور جواہر نگار کرسی چاند کی طرح جگمگا رہے تھے کہ دوسرے وزیر نے اس طرح تقریر کی۔

"معزز مہمانو! میں بہ حیثیت ایک ادنیٰ غلام کے شیطنت حضور کا فیصلہ سُناتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ نہ صرف ہماری اپنی اُمت بلکہ وہ تمام حضرات جو ابتک حضور پر ایمان نہیں لائے اس تبصرہ کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ حضرت شیطان کی ارفع و اعلیٰ ذات پورا الیقین رکھتی ہے کہ آیندہ کانفرنس میں جو ایک صدی بعد منعقد ہوگی دُنیا اچھی طرح دیکھ لیگی کہ مذہب ایک ڈھکوسلا ہے اور زندگی کی کامیابی کا راز مذہب سے دُور، ایمان سے الگ انصاف سے پرے، صرف ان الفاظ میں ہے۔

"کل کا دن گذر گیا آج کا دن موجود ہے اور اس زندگی میں آنے والا کل فضول ہے"

میں یہ تبصرہ شیطنت حضور کے ارشاد کی تعمیل میں شروع کرتا ہوں مگر اس سے پہلے کہ فیصلہ صادر ہو نہایت ضروری ہے کہ میں حسب الحکم وزیر جنگ کا شکریہ ادا کروں جس نے اس قدر محنت شاقہ کی اور ایسی بےمثل تصاویر پیش کیں۔ میری دُعا ہے کہ شیطنت حضور کی برکت سے آیندہ صدی میں ہر مسلمان خدا کے پھندے سے نکل کر حضرت شیطان کے مریدوں میں شامل ہو۔

شیطنت حضور خداوند عزازیل کا تبصرہ

ہماری شیطنت وزیر جنگ کی قابل قدر خدمات سے بہت خوش ہے اس کا

انتخاب ثابت کر رہا ہے کہ اس نے انسانیت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور یہ ساتوں انسان جن کی تصویریں ہمارے سامنے آئیں کچھ شک نہیں بعض اعتبار سے بے مثل سمجھے جا سکتے تھے مگر جہاں تک ہماری شیطنت کا تجربہ ہے یہ وہ وقت ہے کہ وزیرِ جنگ نے جن لوگوں کو مستحق انعام خیال کیا وہ عدیم النظیر نہیں اور ہماری کوششیں بالخصوص مسلمانوں میں اس حد تک بار آور ہو چکی ہیں کہ صوبہ اور شہر محلہ اور گلی تو درکنار ہر خاندان بلکہ ہر گھر ایسے لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور اس لئے وزیر جنگ کی محنت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہماری شیطنت یہ کہنے پر مجبور ہے کہ تمغہ شیطانی کا جایز حق صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کی خدمات اس قوم میں اپنا جواب نہ رکھتی ہوں۔

پہلی تصویر ایک مرد کی ہے جو مفتی ہے اور نماز روزہ کا نہ صرف پابند بلکہ شوقین۔ اس کی ایک عزیز بڑھیا ماما کی حیثیت سے اس کے ہاں کام کرتی ہے اس کی لڑکی فرزانہ بھی بڑھیا کی مددگار ہے بڑھیا مفتی صاحب کو بزرگ نمازی پرہیزگار سمجھکر فرزانہ کے نکاح کا معاملہ ان کے سپرد کر دیتی ہے اور یہ ذات شریف خواہ مخواہ کی شرطیں پیش کر کے معاملہ کو اڑا کر اس پیام کو قابل اطمینان سمجھ اپنی بھتیجی کی شادی کر دیتے ہیں اور بڑھیا منہ تکتی رہ جاتی ہے۔

وزیر جنگ کا انتخاب قابل داد ہے مگر کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اس قسم کے لوگوں کی کمی ہے وہ اگر مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہو کہ مسلمانوں کی بہت کم شادیاں ایسی ہونگی جن میں دوسرے مسلمانوں کی یہ کوشش نہ ہو کہ کسی طرح اس پیام کو خاک میں ملا دیں اب رہا مفتی صاحب کا تقدس اور یہ کارنامہ خوشی کی بات ہے کہ آج اس قوم میں ایسے مقدس افراد کا وجود بہت کافی ہے اور ہماری شیطنت کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی مقدس مسلمان کا ان نقائص سے پاک ہونا تعجب انگیز ہوگا تاہم وزیر جنگ

کی سفارش پر ہماری شیطنت کی طرف سے اظہار خوشنودی کیا جاتا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ مفتی صاحب کے اعمال میں عنقریب کوئی ایسا خوشگوار اضافہ ہوگا جس پر مسلمان قوم ہمیشہ فخر کرے۔

دوسری تصویر خانصاحب کی ہے جو اپنی زندگی شیخ چلی کی حیثیت سے بسر کر رہے ہیں امراء اور رؤسا حکام اور انگریزان کو محض ہنسی اڑانے کے لئے اپنے جلسوں میں بلاتے ہیں ان کی بیوی رضیہ سچی مسلمان ہے مگر اس لئے کہ "شبرات کے دن سوتیلے بچہ فہیم پر اس جرم میں کہ اس نے اس کے بچہ کو آتش بازی چھوڑتا ہوا دیکھ کر ایک پھلجھڑی اسے مانگی جلتی ہوئی چھچھوندر اس طرح پھینکی کہ بچہ جل گیا اور چربی نکل آئی" وزیر جنگ اس کو اس قابل سمجھتا ہے کہ تمغۂ شیطانی عطا ہو؟ ہماری شیطنت وزیر جنگ کی اس سفارش پر متعجب ہے کیا خانصاحب جیسے مسلمان جو دوسروں کی خوشامدوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں میں مفقود ہیں؟ غالباً وزیر جنگ کا مطالعہ وسیع نہیں ورنہ وہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا رضیہ کے سوتیلے بچہ سے یہ سلوک وزیر جنگ کی طبیعت کو کمزور ثابت کر رہا ہے کہ اس معمولی واقعہ سے وہ اس قدر متاثر ہو گیا کہ اس کو ہمارے سامنے پیش کرنے کے قابل سمجھا وزیر جنگ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ قابل بیان ہی نہیں اور مسلمان سوتیلی ماؤں کے کارنامے ہماری شیطنت کی رائے میں اس قدر کامیاب ہیں کہ اب ہماری ذریات کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اور ہماری کوششیں اس سلسلہ میں پوری طرح کامیاب ہو گئی ہیں۔ ان حالات میں یہ تصویر ہمارے سامنے سے قطعی علیحدہ کر دینی چاہئے۔ اُمید ہے کہ وزیر جنگ آئندہ انتخاب میں زیادہ احتیاط کرے گا۔

تیسری تصویر ناک چڑھے والی بھابی کی ہے اس عورت کے واقعات جو بیان کیے گئے اس لئے سننے کے قابل ہیں کہ یہ مسلمان عورتوں میں ایک ممتاز درجہ

رکھتی ہے اور ابھی عام طور پر مسلمان عورت اس کی مانند خدا سے منحرف نہیں ہوئی مگر اس کے کاموں میں بھی کوئی کام قابل ستائش نہیں ایسی خدمات ہماری شیطنت کی نضا ہیں ہماری اُمّت کی دوسری عورتیں بھی کم وبیش انجام دینے والی موجود ہیں۔ البتہ پیر جی کے سلسلہ میں جو خدمات اس نے کیں وہ ضرور توجہ کے قابل ہیں اس لئے ہماری شیطنت اس سے خوش ہو کر یہ اپنے مبارک ہاتھ کا رومال بطور یادگار عطا فرماتی ہے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اپنی موت سے پہلے اپنی جیسی بہت سی عورتیں پیدا کر جائے۔

(چیرز۔ چیرز۔ چیرز)

ہماری شیطنت اس موقعہ پر اپنے وزیر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے۔

چوتھی تصویر ایک شخص شمس کی ہے جو بخار میں ہل ہلا رہا ہے اور باغ میں لیٹا ہائے ہائے کر رہا ہے اس کی چار سالہ بچی قمر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہی ہے سانپ نکلتا ہے اور چاہتا ہے کہ شمس کو ڈسے مگر قمر اس کو پکڑ لیتی ہے اور باپ کو بچاتی ہے سانپ بجائے شمس کے قمر کو کاٹتا ہے اور وہ مر جاتی ہے اس کا معصوم جذبہ محبت باپ ٹھکرا دیتا ہے اور اس بچی کی تعزیت سے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ یہ اس کی دیرینہ آرزو تھی اور وہ باپ بننے کی ذمہ داریوں سے آزاد ہونے کا خواہشمند تھا۔

ہماری شیطنت شمس کے اس فعل سے خوش ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی مسلمانوں میں ہم ایسے باپ زیادہ پیدا نہ کر سکے جو اپنی اولاد کو ہمارے نام پر قربان کر دیں مگر خوشی کی بات ہے کہ ہمارے دشمن خداوند کے بندوں میں بھی ایسے افراد بہت کم ہیں اس لئے ہماری شیطنت شمس کی شکر گزار ہے اور یہ گلاب کا پھول جس کو ہمارے ہاتھ میں رہنے کا فخر حاصل ہے مرحمت ہوتا ہے۔ (چیرز۔ چیرز۔ چیرز)

پانچویں تصویر میں میاں بیوی کے تعلقات شوہر کے مظالم معمولی باتیں ہیں اور ہماری شیطنت نہیں سمجھ سکی کہ وزیرِ جنگ نے ایسی خرافات پر کیوں توجہ کی۔ اس کو سمجھنا چاہئے کہ مسلمان مرد عورت کے حقوق تباہ و تاراج کر چکے اور ان پر ہماری کوششوں سے نفس اتنا غالب ہو چکا کہ شاید دس فی صدی عورتوں کو بھی بہ مشکل وہ حقوق حاصل ہونگے جو ان کے خداوند نے مرحمت کیے۔ اس وقت نوے فی صدی خود ہماری اُمت میں شامل ہیں اور عورت کی اتنی مٹی پلید کر دی ہے کہ ہم کو ان کی طرف سے پورا اطمینان ہے اور ہم کو اندیشہ بھی نہیں کہ وہ اس راستہ سے بھٹکنے پائیں۔ ہماری شیطنت کو اس سلسلہ میں اس مسلمان کی قدر کرنی چاہئے جس نے منصف کی حیثیت سے قرآن اور حدیث کو روندا اور مروت کو بھول کر سوسائٹی کی ضروریات کو مقدم سمجھا اور خلع کو جو خدائی فیصلہ تھا اپنے قلم سے کاٹ کر ہماری امت میں داخل ہوا۔ ہماری شیطنت وزیرِ جنگ کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ہمارا شکریہ اس قسم کے مسلمانوں تک پہونچا دے۔

(چیرز) چیرز۔ چیرز۔ (چیرز)

چھٹی تصویر۔ نواب قمر زمانی بیگم کے واقعات میں صرف دو باتیں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں۔

فقہا کی جہالت پر بادولت کو بے انتہا ہنسی آئی اور ہماری شیطنت اپنی تمام ذریات کو ہدایت کرتی ہے کہ جہاں وہ مسلمان عورتوں کو گمراہ کرنے میں انتہائی کوشش کر رہے ہیں وہاں ان کا یہ فرض بھی ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا انتظام نہ ہونے پائے اور وہ جب کبھی اس قسم کے چرچے سنیں تو فوراً کسی نہ کسی قسم کے روڑے اٹکائیں۔

فقہا کا شرک ہمارے دلی شکریہ کا یقیناً مستحق ہے اور ان پانچویں

تصویروں سے زیادہ مستحق ہے، (چیرز۔ چیرز۔ چیرز)
کہ اس نے کسی موقعہ پر خدا کو یاد نہ رکھا اور ہر معاملہ میں ہم سے مدد لی آٹھویں دن کا
چڑھاوا، ایک پھل کا چھوڑنا، یہ تمام کام ایسے ہیں کہ وہ پوری مشرک ہو کر خدا
کی حدود سے باہر نکلی اور ہماری مملکت میں داخل ہوئی (تالیاں در سے تالیاں)
ہم اپنی اُمت کی اس قابل فخر عورت کے ہمیشہ ساتھ ہیں اور ہر وقت
اس کو مدد دیں گے۔

وزیر جنگ سے خواہش کی جاتی ہے کہ ہماری طرف سے یہ پھولوں کا
گلدستہ قمر زمانی بیگم کی خدمت میں شکریہ کے طور پر پیش کرے۔

(چیرز۔ چیرز۔ چیرز)

ساتویں تصویر سے پہلے یہ کہنا ضروری ہے کہ ملا جی سے ہماری شیطنت
بہت خوش ہوئی کہ وہ ہماری جنت میں تشریف لائے اور اپنے تقدس کو
گنوا کر ہماری حوروں کے ہمنوا ہوئے۔

ساتویں تصویر ہر اصفہان کی ہر اعتبار سے یہ حق رکھتی ہے کہ ہماری ذریات
اس کو سجدہ کرے اور سر آنکھوں پر رکھے اس نے ہمارے حقیقی دشمن خداوند
کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور ترکہ کی خدائی تقسیم کو برباد کرنے میں جو
کوششیں کیں وہ ہر شیطان کی طرف سے مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اس نے
کفو وغیرہ کی شرطیں لگا کر جو تجویزیں کیں ہماری شیطنت اس سے بیحد خوش
ہوئی اس نے محض اپنی برادری کو خوش کرنے کے لئے، اس نے صرف اپنی
ضرورتوں کو پورا کرنے کے واسطے، اپنی جائداد کو اپنے بچہ کی خاطر محفوظ رکھنے
کے سلسلہ میں جس طرح اپنی بچی شبیرا زی کو قربان کیا اس کی نظیر کم ملے گی۔ یہ
ہماری اُمت کا ایسا فرد ہے جس کو ہم فخر سے ہر جگہ پیش کر سکتے ہیں اس نے

خدا کو ٹھکرایا، رسول کو جھٹلایا، اور ایک زندہ روح کو جو بیٹی کی حیثیت میں اس کے پاس امانت تھی اپنے خاندانی رواج پر قربان کر دیا۔"

ر چیز ز بیجا چیز ز بہت زیادہ چیز ز)

اصفہان "تمغۂ شیطانی" کا مستحق ہے اور ہماری شیطنت کو اشد ضرورت ہے کہ ہماری اُمّت میں اصفہان جیسے باپ پیدا ہوں جو برادری کی ضروریات پر نہ صرف خدا اور رسول کو قربان کریں بلکہ اپنی لڑکیاں کو اُلٹی چھری سے ذبح کر کے ہم کو دورِ جہالت کا تماشہ ایک دفعہ اور دکھا دیں اور دنیا کو یقین آجائے کہ اس طرح قبل از اسلام بدبخت اور جفاشعار باپ زندہ لڑکیوں کو دفن کرتے تھے۔

ختم شد

نوٹ پبلشر

ا۔ یہ افسانہ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء کے رسالہ عصمت سے شروع ہو کر ستمبر سنہ ۲۹ء کے پرچہ میں ختم ہوا تھا اور اسی سال کتابی صورت میں بھی شائع ہوا تھا۔

۲۔ **تمغۂ شیطانی کا دائمی حق اشاعت محفوظ ہے۔** براہِ کرم کوئی صاحب اس کے کل یا جزو کو شائع نہ فرمائیں ورنہ اخلاقی ہی نہیں قانونی جرم کے بھی مرتکب ہوں گے۔ تاجرانِ کتب جس قدر جلدیں چاہیں دفتر عصمت دہلی سے طلب فرما سکتے ہیں۔ کمیشن معقول دیا جائے گا۔

رازق الخیری

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس چھلیواڑان دہلی

مصوّرِ غم

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے)
شاہجہاں آباد کے اُس مقتدر اور ممتاز خاندان کے فرزند رشید تھے جسے خاندان شاہان مغلیہ کے اُستاد ہونیکا نسلاً بعد نسلاً فخر حاصل رہا۔ جس نے مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور ہندوستان کے مشہور سحر البیان مولوی عبد الرب مغفور بانی جامع مسجد سہارنپور جیسے جید علماء اور قرآن و حدیث کے نامور ماہرین پیدا کئے۔ یہ اجڑے دیار کا وہ نامور خاندان تھا جس کی بیٹیاں حافظہ، حاجیہ، قاریہ ام عطیۃ النسا مرحومہ (چھوٹی استانی جی) اور حاجیہ ام ذکیہ مرحومہ جیسی مشہور عالمہ فاضلہ خواتین اور جس کے داماد شمس العلماء مولوی نذیر حسین مرحوم "محدث دہلی" اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم جیسے نامور بزرگ تھے۔ حضرت علامہ مغفور بمقام دہلی جنوری ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے، اور ابھی نو دس برس ہی کے تھے کہ ان کے والد ماجد مولوی حافظ عبد الواجب صاحب نے حیدر آباد دکن میں جہاں وہ محکمۂ بندوبست میں افسر اعلیٰ تھے، انتقال فرمایا۔ اور حضرت علامہ مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے دادا اور چچا حضرت مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور خان بہادر مولوی عبد الحامد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی نگرانی میں ہونے لگی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم کو مسلمان کفر سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ مغفور نے اُردو فارسی عربی وغیرہ گھر پر پڑھی۔ پھر انگریزی تعلیم دہلی کے عربک اسکول میں ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنے شوق سے اسے بہت کچھ ترقی دی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم (جو علامہ مرحوم کے حقیقی پھوپا تھے) اور مولانا حالی مرحوم کی شاگردی نے علامۂ مغفور کی قابلیت کی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ ابھی حضرت علامہ انٹرنس ہی میں تھے کہ ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی عبد الرحیم صاحب بانی جامع مسجد جھجر کی اکلوتی صاحبزادی سے جنوری ۱۸۹۰ء میں شادی ہوئی۔ اور ۹۱ء میں محکمۂ بندوبست کے انگریزی دفتر میں ملازمت شروع کی۔ مگر ملازمت کی پابندی حضرت علامہ کی طبیعت

کے خلاف تھی۔ اور دفتر کے خشک کاموں میں جی نہ لگتا۔ پھر علامہ مرحوم کی والدہ مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی زیادہ روز کے لئے گوارا نہ کرسکتی تھیں۔ ان وجوہ سے جم کر ایک جگہ نوکری نہ کی۔ اور ترقی کے نہایت معقول مواقع میسر آنے پر ان کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی، اور اناوہ، کھیری، میرٹھ، علی گڈھ، دہرہ دون کی تبدیلی ہوتی رہی آخر دلی کے پوسٹل آڈٹ آفس میں تبدیل ہوئے مگر چند سال گذرے تھے کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں اٹھارہ انیس سال کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف "حیات صالحہ" یا "صالحات" ہے جو سنہ ۱۸۹۵ء میں لکھی گئی سنہ ۱۸۹۸ء میں دوسری تصنیف "منازل السائرہ" ختم کی۔ ان دونوں اصلاحی ناولوں کی اشاعت کے بعد حضرت علامہ مغفور کا شہرہ ایک مقبول پایہ مصنف کی حیثیت سے بلند ہونا شروع ہوا۔ سنہ ۱۹۰۳ء سے رسالہ "مخزن" میں افسانے اور مضامین شائع ہونے لگے پھر "صبح زندگی" شائع ہوئی اور دلی کے باکمال ادیب کی طرز تحریر کی دلآویزی، زبان کی شیرینی، اور واقعات کے پیرایۂ بیان کی درد انگیزی کی دھوم مچنے لگی۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں رسالہ "عصمت" جاری ہوا جو ۲۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اور ہندوستان کا بہترین زنانہ پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں حقوق نسواں کی حمایت میں رسالہ "تمدن" جاری کیا جو ۵ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ سنہ ۱۵ء میں اخبار سہیلی جاری فرمایا مگر سنہ ۱۶ء میں دفتر عصمت میں قیامت کی آگ لگی اور سہیلی جاری نہ رہ سکا سنہ ۱۹۱۷ء میں "شام زندگی" شائع ہوئی اور اسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پہلے ہی سال میں تین مرتبہ چھپی اور کتاب نے قوم سے حضرت علامہ مغفور کو مصور غم کا خطاب دلوایا اب اردو کے بےمثل مصنف نے تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور دو درجن کے قریب ضخیم کتابیں سنہ ۱۷ء سے سنہ ۲۳ء تک کے زمانہ میں لکھ ڈالیں، جو مختلف حضرات نے شائع کیں۔ اور بقول مولانا تاجور "لاکھوں روپیہ پیدا کیا"۔ حضرت مصور غم نے اپنی تصانیف کی جو مقبولیت دیکھی شاید اردو کے کسی مصنف کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دو نہیں درجنوں کتابیں آٹھ آٹھ دس دس سال کے عرصہ میں دس دس بارہ بارہ دفعہ چھپیں۔ بلکہ "صبح زندگی" "شام زندگی" وغیرہ کے تو پندرہ پندرہ بیس بیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری دو کتابیں "آمنہ کا لال" "سیدہ کا لال" بھی چار ساڑھے چار سال میں ہزارہا کی تعداد میں پانچ چھ دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اردو کورس علامہ مغفور سے صحیح کرائے۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں نیشنل یونیورسٹی نے سب سے پہلا اُردو ممتحن مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں حکومت بہار واڑیسہ نے شمالی ہند سے بہ حیثیت ماہر اُردو کے اُردو ہندی کی ترقی کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم سے بیش بہا مشورے لیئے۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں مسلمان بچیوں کے لئے تربیت گاہ بنات قائم کی جس سے ہندوستان کے مختلف حصوں کی سینکڑوں خوشحال اور یتیم و نادار بچیوں نے بہ حیثیت بورڈر تعلیم و تربیت حاصل کی اور جس سے ہزاروں غریب کم استطاعت بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہوئیں اس مدرسہ کیلئے بیگم صاحبہ محترمہ کے ساتھ علامہ مغفور باوجود پیرانہ سالی کے ہندوستان کے کسی صوبہ کا سال میں مہینہ سوا مہینہ کا دورہ فرماتے تھے۔ مدرسہ کے کاموں میں محترمہ بیگم راشد الخیری صاحبہ حضرت علامہ مرحوم کی برابر کی شریک رہیں۔ سنہ ۲۷ء میں مسلمان بچیوں کے لئے رسالہ "بنات" جاری فرمایا سنہ ۳۳ء میں علامہ مغفور کی مرحومہ بہو محترمہ خاتون اکرم کی یادگار میں زنانہ دستکاری کا رسالہ "جوہر نسواں" جاری ہوا۔ حضرت علامہ راشد الخیری کی (خدا انہیں غریق رحمت فرمائے) خودداری بڑے آدمیوں اور با اثر و بارسوخ لوگوں سے مے جلنے کو کبھی درست نہ سمجھتی تھی۔ نام و نمود شہرت و خود ستائی جلسوں اور بے نتیجہ تقریروں سے سخت نفرت تھی۔ کسی جلسہ یا کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے حضرت مصور غم نے خاموشی کے ساتھ مسلسل چالیس سال تک تصانیف اور رسالوں کے ذریعہ خواتین ہند اور ادب اُردو کی جو زبردست شاندار خدمات انجام دیں وہ اس قدر گراں بہا اور عظیم الشان ہیں کہ مشہور ادیبوں اور رہنمایان قوم کا فیصلہ ہے کہ ان کی نظیر نہیں نکل سکتی۔ اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کیلئے حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی کوششیں کبھی فراموش نہ ہو سکیں گی۔ مصور غم ہی کی تحریروں سے عورتوں کی مظلومیت پر مردوں کے دل پسیجے۔ مصور غم ہی کے لٹریچر سے عورتوں کو اپنی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا ہو گیا۔ اور گذشتہ تہائی صدی میں خواتین ہند میں جو تھوڑی بہت بیداری پیدا ہوئی ہے متفقہ طور پر اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اسمیں بہت بڑا حصہ جنت نصیب حضرت علامہ راشد الخیری کی ان تھک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ مشرق کے بے مثل حزن نگار مصنف ہی نہ تھے۔ مزاحیہ مضامین لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ناولسٹ بھی تھے، جرنلسٹ بھی، مختصر افسانہ نگار بھی تھے، اور مورخ بھی شاعر بھی اور انشا پرداز بھی، مگر ہر حیثیت میں مصلح اور نسوانی جذبات کے ترجمان۔ ان کی تحریر کی طرح انکی تقریروں اور لکچروں میں بھی خدا نے کچھ ایسا اثر اور آواز میں کچھ ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ مجمع زار و قطار آنسو بہاتا تھا۔ حضرت علامہ مغفور میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا زمانۂ شباب میں

علاوہ مذہب کے فارسی شاعروں اور انگریزی مصنفین کا بھی مطالعہ فرمایا تھا، حافظہ حیرت انگیز تھا۔ موسیقی سے بہت دلچسپی تھی، انگریزی اور ہندوستانی بہت سے کھیل جانتے تھے۔ بدن کسرتی تھا، جسم دوہرا قد لمبا، چہرہ پر دلالت اور نور برستا تھا۔ خانگی زندگی انتہائی کامیاب تھی اور دیکھنے والوں کے لیے ہر حیثیت سے قابل رشک تھی۔ بے نظیر بیٹے، لاجواب بھائی، سعادتمند داماد۔ بےمثل شوہر، عاشق زار باپ، اور بہترین دوست ہمیشہ شاداں و خنداں رہتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور زندہ دلی ان کے ملنے والے بھلائے سے بھی نہیں بھول سکتے۔ جن کی قابلیت کا چار کھونٹ ڈنکا بج رہا تھا۔ جن کی شہرت اس دور کے بڑے بڑے مصنفوں اور رہنماؤں کیلئے باعث رشک تھی، جن کا نام عزت کے ساتھ جنکا ذکر محبت کے ساتھ لیا جاتا، اور کیا جاتا تھا، ان کی شرافت اور اخلاق، سادگی اور وضعداری، مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالدیتی تھی۔ ان کی عاجزی اور انکساری کا یہی ثبوت کچھ معمولی نہیں کہ ۶۰ کے قریب کتابیں زندگی میں شائع ہوگئیں لیکن کسی کتاب میں تصویر شائع نہ کرنے دی۔ کسی کتاب کو کسی کے نام منسوب نہ کیا۔ کسی کتاب میں کسی کی تقریظ جائز نہ سمجھی۔ تین چار کتابوں میں دیباچے بھی مجبوراً لکھے ورنہ سوائے "ٹائیٹل پر نام آنے کے اپنا نام تک اپنی کتاب میں دوبارہ آنا پسند نہ فرمایا۔ صبر شکر توکل وقناعت ہمیشہ شیوہ رہا۔ اپنی حالت میں بے انتہا خوش رہے۔ رحمدلی مخلصانہ عملی ہمدردی، غیروں کی آگ میں کود پڑنا، دوسروں کے لئے سب کچھ لٹا دینا المختصر خدمت خلق اللہ حاصل عمر تھا۔ ۶۸ سال کی عمر تھی اور بظاہر صحت نہایت اچھی کہ دو ماہ بیمار رہ کر ۳ر فروری کی منحوس صبح کو اجڑے دیار کے آخری باکمال مصنف کا سایہ قوم بدبخت کے سر سے اُٹھ گیا۔ مصور غم کی رحلت پر ہندوستان بھر کے ہر پڑھے لکھے گھرانے میں کہرام مچ گیا جگہ جگہ زنانہ اور مردانہ ماتمی جلسے ہوئے اور ہندوستان کے باہر ادب اُردو کا ذوق رکھنے والا ہر شخص دم بخود ہوگیا۔ جس قدر رنج وغم میں ڈوبے ہوئے مضامین جتنے مرثیے نوحے قطعات تاریخ المختصر جس قدر بلند پایہ ماتمی لٹریچر مصور غم کے انتقال پر شائع ہوگیا وہ اتنا زبردست ہے کہ بقول اڈیٹر ملت "کسی ادیب یا رہنما کی وفات پر اسوقت تک شائع نہ ہوسکا" آسمان کتنی ہی کروٹیں بدلے، بین کتنے ہی جگر کاٹے، ہندوستان بدلے، ہندوستان والے بدلیں، معاشرت بدلے، ادب بدلے لیکن مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کو ہمیشہ عزت ومحبت کیساتھ یاد کیا جائیگا اور انکا نام آنیوالی نسلیں فخر کیساتھ لیتی رہیں گی۔ خدا کی بیشمار رحمتوں کے پھول اس مزار مبارک پر برستے رہیں جہاں وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں، اور خدا جنت نعیم میں اس پاک روح کو ابدی سکون عطا فرمائے جسکی دائمی مفارقت ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی ہے۔

۲۲ر جولائی سنہ ۳۶ء

رازق الخیری

Printed at Mahboob-ul-Mataba Press, Delhi.